انوار قرآنی

مؤلف: آیت‌الله محمد هادی معرفت مترجم: سید محمد حسن عابدی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ھدیہ ء زیارت و عمرہ

ملتمس دعا

ڈاکٹر غلام حسین میثمی (لاکھانی)

بیگم خیر النساء میثمی (لاکھانی)

مجیر محمد میثمی (لاکھانی)

انوار قرآنی

مؤلف: آیت اللہ محمد ہادی معرفت

مترجم: جناب سید محمد حسن عابدی

کتاب کے جملہ حقوق دار المصطفیٰ کتابخانہ و کیسٹ
لائبریری کے لئے محفوظ ہیں

کتاب: انوار قرآنی

مؤلف: آیت اللہ محمد ہادی معرفت

مترجم: جناب سید محمد حسن عابدی

تصحیح: مولانا سید محمد قرۃ العین عابدی

کمپوزنگ: محمد رضا قمی

سال طبع: ۲۰۰۳ء

قیمت:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللّهم عجّل لولیّک الفرج

انوار قرآنی

مؤلف: آیة الله محمد هادی معرفت
مترجم: جناب سیّد محمدحسن عابدی
تصحیح: مولانا سیّد محمد قرّةالعین عابدی
کمپوزنگ: محمد رضا قمی
ناشر: انتشارات لاهوتیان
نوبت چاپ: اول زمستان ۸۳
شمارگان: ۳۰۰۰ نسخه
چاپ: امیر
شابک: ۶ ـ ۲۵ ـ ۸۷۷۸ ـ ۹۶۴
قم: صندوق پستی ۴۷۹ ـ ۳۷۱۸۵
مرکز پخش: مرکز پخش علقمه
تلفن: ۷۸۳۱۸۱۷ ـ ۷۷۴۷۴۹۳ ـ ۰۲۵۱
همراه: ۰۸۸۶ ۳۵۱ ۰۹۱۲
۹۰۲۹ ۱۵۳ ۰۹۱۲

«کلیه حقوق محفوظ و متعلق به مرکز پخش علقمه می‌باشد»

فہرست

پہلا درس..... ۱۱
تفسیر قرآن کی اقسام..... ۱۱
قرآن میں وجود خدا کے اثبات پر دلائل..... ۱۲
آیات میں برہان نظم..... ۱۵
توحید کے مراتب..... ۱۸
۱۔توحید ذاتی..... ۱۸
دوسرا درس..... ۲۳
دو شبہات کے جوابات..... ۲۶
امام جعفر صادق کا وحدانیت خدا کو ثابت کرنا..... ۲۷
تیسرا درس..... ۳۱
۲۔توحید صفاتی..... ۳۱
خدا کی صفاتِ ذاتی اور صفاتِ فعلی میں فرق..... ۳۴
خدا کی صفات جمال اور جلال کی تعداد..... ۳۵
چوتھا درس..... ۳۷
۳۔توحید افعالی:..... ۳۷

استطاعت اور قدرت کے درمیان فرق..... ۳۸
صفات افعالی کے بارے میں اشاعرہ کا عقیدہ..... ۳۸
توحید افعالی کے بارے میں معتزلہ کا نظریہ..... ۴۰
توحید افعالی کے بارے میں امامیہ کا نظریہ..... ۴۱
پانچواں درس..... ۴۹
قضاوقدر..... ۴۹
قضاوقدر کے بارے میں اشاعرہ کا عقیدہ..... ۴۹
قضاوقدر کے بارے میں امامیہ اور معتزلہ کا عقیدہ..... ۵۲
قدر کا قضاء پر مقدم ہونا..... ۵۵
چھٹا درس..... ۵۷
سعادت وشقاوت..... ۵۷
سعادت اور شقاوت کا مفہوم..... ۵۷
ساتواں درس..... ۶۳
کیا اللہ نے انسانوں کو پہلے سے ہی سعید اور شقی خلق کیا ہے؟..... ۶۳
آٹھواں درس..... ۶۹
آفات وبلیات..... ۶۹
امام خمینیؒ اس بارے میں تحریر فرماتے ہیں..... ۷۵

نواں درس..... ۷۹
۴۔عبادت میں توحید..... ۷۹
قرآن میں توحید عبادی..... ۸۰
توحید عبادی کی اہمیت..... ۸۲
دسواں درس..... ۸۵
تفسیر پیام قرآن کے کیے ہوئے معنیٰ عبادت پر تنقید..... ۸۵
ملائکہ کا حضرت آدمؑ کو سجدہ کرنے کا کیا معنیٰ ہے..... ۹۰
گیارہواں درس..... ۹۳
شفاعت..... ۹۳
مفہوم شفاعت..... ۹۴
بارہواں درس..... ۱۰۱
شفاعت کرنے والے کی شرائط..... ۱۰۱
شفاعت کے اثرات..... ۱۰۷
خدا سے امید کا وابستہ رکھنا..... ۱۰۷
۲۔ناامیدی کو دور کرنا..... ۱۰۸
۳۔شرائط شفاعت کی توفیق کے حصول کی طرف گامزن ہونا..... ۱۱۱
تیرہواں درس..... ۱۱۳
رحمت الٰہی کے دروازے..... ۱۱۳

۱۔ اللہ کا انسانوں سے مغفرت کا وعدہ کرنا..... ۱۱۳
۲۔ توبہ..... ۱۱۵
۳۔ شفاعت..... ۱۱۸
کیا شفاعت گناہ کرنے پر جرأت نہیں دلاتی ہے؟..... ۱۲۲
چودھواں درس..... ۱۲۵
شفاعت قرآن کی نگاہ میں..... ۱۲۵
۱۔ ملائکہ کے استغفار کرنے والی آیات..... ۱۳۵
۲۔ نماز شب والی آیات..... ۱۳۶
۳۔ رضایت پروردگار والی آیت..... ۱۳۹
۴۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استغفار والی آیت..... ۱۴۱
پندرھواں درس..... ۱۴۳
شفاعت روایات کی روشنی میں..... ۱۴۳
شفاعت پانے والوں کی شرائط..... ۱۴۷
شفاعت کی اقسام..... ۱۵۰
سولھواں درس..... ۱۵۵
توسل..... ۱۵۵
ولایت تکوینی اور ولایت تشریعی..... ۱۵۷
سترھواں درس..... ۱۶۵

تبرک کی طلب ۱۶۵
اہل سنت فقہاء کی نگاہ میں تبرک کا مسئلہ ۱۷۰
ہاتھ چومنے کا بیان ۱۷۱
اٹھارہواں درس ۱۷۵
عالم ذر کی زندگی ۱۷۵
عالم ذر قرآن کی نگاہ میں ۱۷۵
عالم ذر کے بارے میں مذہب حشویہ والوں کا نظریہ ۱۷۹
عالم ذر کے بارے میں شیعوں کا نظریہ ۱۸۳
اُنیسواں درس ۱۸۷
عالم ذر کا انکار کرنے والوں کی دلیلیں ۱۸۷
بیسواں درس ۱۹۹
اعمال کا مجسم ہونا ۱۹۹
آخرت میں انسانوں کو سزا ملنے کا فلسفہ ۲۰۰
قرآن میں اعمال کے مجسم ہونے کا ذکر ۲۰۴
اکیسواں درس ۲۱۰
روایات میں تجسم اعمال کا ذکر ۲۱۰
اخلاق کا مجسم ہونا ۲۲۱
منابع وماٰخذ ۲۲۴

فضائل قرآن پر ایک حدیث:

قال امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام:

آلا لا خیر فی قراءۃ لیس فیھا تدبّر (۱)

قال الحکیم: کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰہُ اِلَیْکَ مُبٰرَکٌ لِیَدَّبَّرُوْٓا اٰیٰتِہٖ وَ لِیَتَذَکَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ (۲)

امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں:

آگاہ رہو قرآن کا ایسا پڑھنا کوئی فائدہ نہیں رکھتا جس میں غور فکر سے کام نہ لیا گیا ہو۔

کیونکہ اللہ تبارک تعالیٰ قرآن میں ارشاد فرماتا ہے "یہ کتاب جو ہم نے تمہاری طرف نازل کی ہے تاکہ اس کی مبارک آیات میں غور و فکر سے کام لیا جائے اور صاحبان عقل ہی اس سے نصیحت حاصل کرتے ہیں۔

---

(۱) معانی الاخبار ص ۲۲۶، اعلام الدین ج ۱ ص ۳۶۔

(۲) سورہ ص آیت ۲۹۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پہلا درس

تفسیر قرآن کی اقسام

قرآن کریم کی تفاسیر دو طرح کی ہوتی ہیں ایک تفسیر ترتیبی دوسری تفسیر موضوعی،

تفسیر ترتیبی: یعنی قرآن کے سوروں اور آیات کے لحاظ سے جس میں مفسر قرآن کی ابتداء سے ایک ایک آیت پر مختلف طریقوں سے بحث کرتا چلا جائے مثلاً ادبی و علمی و دیگر پہلوؤں کی وضاحت کرے جیسا کہ تفسیر المیزان، تفسیر مجمع البیان و دیگر تفاسیر ہیں۔

تفسیر موضوعی: تفسیر موضوعی اس تفسیر کو کہتے ہیں جس میں مفسر قرآن میں ذکر شدہ موضوعات کو علیحدہ علیحدہ مورد بحث قرار دے مثلاً موضوع توحید، عدل، انبیاء اور معصومین علیہم السلام کی عصمت. یاد رہے تفسیر موضوعی اسی وقت تفسیر موضوعی کہلائی جائے گی کہ اس میں صرف قرآن کریم میں ذکر شدہ موضوعات پر بحث کی گئی ہو، اور پھر قرآن میں ذکر شدہ موضوعات پر بحث کرتے ہوئے صرف قرآن ہی سے ان پر دلیل بھی قائم کی جائے۔

تفسیر موضوعی کی اہمیت:

تفسیر موضوعی اس اعتبار سے اہمیت کی حامل ہے کہ یہ خود قرآن کریم کی تعلیمات کو پیش کرتی ہے، دنیا اس فکر میں ہے کہ یہ سمجھے کہ قرآن کس طرح مسلمانوں کو اس طرح کا بناتا ہے؟ اور اس میں کیا راز ہے کہ اس طرح کی اسلامی و قرآنی فکر رکھنے والے کس طرح سے حکومتوں کو چلا رہے ہیں؟ وہ لوگ قرآن کو سمجھنا چاہتے ہیں کہ قرآن میں کس طرح کی بحثیں ہوئی ہیں اس عظیم ذمہ داری کو تفسیر موضوعی اچھے طریقے سے ادا کرتی ہے اور وہ ہے قرآن کے عظیم مراتب و بیانات کو پیش کرنا۔

قرآن میں وجود خدا کے اثبات پر دلائل:

قرآن نے دو دلیلوں کے ذریعے وجود خدا کو ثابت کیا ہے ایک دلیل فطرت اور دوسری دلیل برہان نظم ہے۔

۱۔ فطری دلیل: یہ ہے کہ جب بھی انسان اپنے اور اپنے اطراف کے ماحول میں سوچ بچار کرتا ہے تو سوائے نقص و محتاجی کے کچھ نہیں پاتا، پس یہی کہ انسان اپنے اور دنیا والوں میں نقص و محتاجی کو پاتا ہے اس سے فطرتاً وہ اس بات کے اعتراف پر مجبور ہو جاتا ہے کہ اقرار کرلے کہ اس عظیم کائنات میں کوئی ایسی کامل ہستی موجود ہے جو اس پورے نظام کو اچھے طریقے سے چلا رہی ہے کیونکہ نقص آتا ہی کمال کے مقابلہ میں ہے لہٰذا انسانی دنیا میں موجود نقائص و وابستگیاں بتا رہی ہیں کہ کوئی ایسی کامل ذات ہے جو ان تمام نقائص کو دور کرنے والی ہے اور ان تمام ضروریات کو پورا کرنے والی ہے اسی لئے قرآن ذات باری تعالیٰ کے وجود کو غیر قابل انکار قرار

دیتا ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:

﴿اَفِی اللّٰہِ شَکٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾(۱)

''کیا اللہ کے بارے میں شک کرتے ہو جو تمام زمینوں اور آسمانوں کو وجود بخشنے والا ہے''

دوسری آیت میں مشرکین کی فطرت کی طرف یوں اشارہ کرتا ہے کہ:

﴿وَلَئِنْ سَئَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰہُ﴾(۲)

''یعنی جب بھی مشرکین سے پوچھو کہ کس نے ان آسمان وزمین کو پیدا کیا اور سورج وچاند کو مسخر کیا تو وہ کہہ اٹھتے ہیں اللہ نے''

سورہ روم میں انسانوں کی فطرت اور ذات کے بارے میں یوں ارشاد ہوا:

﴿فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَةَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰہِ﴾(۳)

''یعنی اپنے آپ کو دین پروردگار کے لئے خالص کرلو وہ دین جس کے لئے انسانوں کو پیدا کیا ہے کیونکہ دین خدا میں تبدیلی تو ہو نہیں سکتی ہے اس آخری

---

(۱) سورہ ابراہیم آیت ۱۰

(۲) سورہ عنکبوت آیت ۶۱

(۳) سورہ روم آیت ۳۰

آیت میں کسی قسم کا کوئی استثناء موجود نہیں ہے یعنی تمام انسان بلکہ تمام موجودات عالم کم از کم اس بات کو تو محسوس کرتے ہیں کہ ان تمام نقائص کے مقابل میں کوئی کمال مطلق اور صاحب قدرت ہستی موجود ہے جو تمام ضرورت مندوں کی ضرورت کو اور تمام موجودہ نقائص کو دور کر سکے اسی اندرونی احساس کا نام فطرت ہے جو ایک (جبلّت) کی صورت میں ہر انسان کے اندر موجود ہے اسی جبلّت کے تحت بچہ اپنی ماں کو تلاش کرتا ہے۔

۲۔ برہان نظم: قرآن کے اہم دلائل میں سے ایک وہ دلیل ہے جو خدا شناسی کے اثبات کے لئے پیش کی جاسکتی ہے وہ برہان نظم ہے جس کو برہان عقلی بھی کہا جاتا ہے۔

جب انسان اپنے اور دنیا کے بارے میں جستجو کرتا ہے تو سوائے ایک خاص نظم کے کچھ نہیں پاتا ہے انسان کا اپنے کمال کے مراحل کو طے کر لینا نطفہ سے علقہ اور علقہ سے مضغہ اور پھر ایک انسانی صورت کا بن جانا یہ سب نظم وضبط کی حکایت کرتے ہیں۔ اسی طرح زمین وآسمان، چاند وسورج وستارے وغیرہ اور جو کچھ بھی اس کائنات میں موجود ہیں وہ سب ایک خاص نظم کے تحت تشکیل پائے ہیں۔ لہٰذا نظم انہیں ارتباط و تعلقات کو کہتے ہیں جن کے ذریعے سے ایک خاص ہدف تک پہنچا جاتا ہے اس کے علاوہ یہ نظم کائنات کا موجودہ نظام اس بات کی بھی حکایت کرتا ہے کہ اس مادی دنیا سے ہٹ کر اس منتظم (یعنی ترتیب دینے والے) کے بارے میں بھی جستجو کی جائے۔

ڈارون جو کہ ایک مغربی سائنسداں ہے جسکی کتاب اصل الانواع کے نام سے ہے اور تین جلدوں پر مشتمل ہے وہ اپنے ایک دوست کو اس طرح سے خط لکھتا ہے کہ ''موحدین اس بات کے قائل ہیں کہ ان موجودات عالم کا سلسلہ ایک ذات پر جا کر ختم ہو جاتا ہے لیکن ملحدین اس بات کے قائل ہیں کہ وہ ذات عقل وشعور وحیات نہیں رکھتی لیکن موحدین کہتے ہیں کہ وہ ذات عقل وشعور رکھتی ہے اور اس پر دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ کیونکہ کائنات میں عقل وشعور وحیات کا وجود پایا جاتا ہے لہٰذا موجود اولی بھی عقل وشعور وحیات رکھتا ہے اور آخر میں لکھتا ہے کہ خدا پرست حق پر ہیں''

آیات میں برہان نظم

۱۔ سبزیجات میں نظم کا پایا جانا:

﴿وَهُوَ الَّذِي اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ انْظُرُوْا اِلٰى ثَمَرِهٖ اِذَا اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ﴾ (۱)

''یعنی وہی ذات قادر وتوانا ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا پھر ہم نے اس کے ذریعے سے ہر چیز کے تنے کو نکالا پھر ہم ہی نے اس سے ہری بھری ٹہنیاں

(۱) سورہ انعام ۶ آیت ۹۹

نکالیں کہ اس سے ہم ملے ہوئے دانے نکالتے ہیں اور کھجور کے بور سے لٹکتے ہوئے گچھے پیدا کئے اور انگور اور زیتون اور انار کے باغات جو ایک دوسرے سے ملتے جلتے اور مزے میں ایک دوسرے سے جدا جدا ہیں تو جب یہ پھل دیں اور پک جائیں تو ذرا ان کے پھلوں کی طرف نگاہ تو کرو۔ (کیونکہ ان میں صاحبان ایمان کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں)

سبزیجات جن کی مختلف اقسام ہیں اور ان کے بہت سے مختلف فوائد ہیں جو کہ نسل انسانی اور حیوانات اور تمام موجودات کے لئے ایک منظم طریقے سے تشکیل دئے گئے ہیں۔

لہٰذا ارشاد ہوا: ﴿وَاَنْبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَوْزُوْنٍ﴾ (۱)

''یعنی ہم نے اس میں ہر قسم کی مناسب چیز اُگائی ہے''

۲۔ سورج اور چاند کی خلقت میں نظم کا پایا جانا:

﴿هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُوْرًا وَ قَدَّرَهُ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ يُفَصِّلُ الْاٰيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُوْنَ﴾ (۲)

''یعنی وہی خدائے قادر ہے جس نے آفتاب کو چمکدار اور ماہتاب کو روشن

---

(۱) سورہ حجر آیت ۱۹ (۲) سورہ یونس آیت ۵

بنایا اور ان کی منزلیں مقرر کیں تا کہ تم لوگ برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کر لو، خدا نے ان چیزوں کو اپنی حکمت و مصلحت سے بنایا ہے وہ اپنی آیتوں کو واقف کار لوگوں کے لئے تفصیل سے بیان کرتا ہے"۔

۳۔ خلقت انسان میں نظم کا پایا جانا:

﴿اَلَّذِیْ اَحْسَنَ کُلَّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ وَبَدَأَ خَلْقَ الْاِنْسَانِ مِنْ طِیْنٍ ☆ ثُمَّ جَعَلَ نَسْلَهٗ مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ مَّآءٍ مَّهِیْنٍ ☆ ثُمَّ سَوّٰىهُ وَ نَفَخَ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـِٕدَةَ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ☆﴾ (۱)

"یعنی وہی قادر مطلق ہے جس نے ہر چیز کو اچھے طریقے سے خلق کیا اور انسانی خلقت کی ابتداء مٹی سے کی پھر اس کی نسل کو (نطفہ جیسے) گندے پانی سے بنایا، پھر اس کے پتلے کو درست کیا اور پھر اس میں اپنی طرف سے روح پھونکی اور تم لوگوں کے سننے کے لئے کان اور دیکھنے کے لئے آنکھیں اور سمجھنے کے لئے دل بنائے اس پر بھی تم لوگ بہت کم شکر کرتے ہو۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ قرآن مجید میں وجود خدا کے اثبات کے بارے میں فقط دلائل فطرت اور نظم پر اکتفا کیا گیا ہے۔

---

(۱) سورہ سجدہ آیت ۷۔۹

توحید کے مراتب

۱۔توحید ذاتی: خدا کو وحدہ لاشریک جانا اور اس کے شریک کی نفی کرنا توحید ذاتی کہلاتی ہے بالفاظ دیگر یوں کہا جائے کہ توحید ذاتی یعنی خدا یک وتنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔

توحید ذاتی کا مفہوم ''احدیت'' اور ''فردیت'' دونوں کو شامل ہے جب کہ احدیت،فردیت کی غیر ہے ''احد'' یعنی خداوند عالم اجزاء واعضاء نہیں رکھتا، کیونکہ جزءوعضو کا رکھنا مرکب ہونے کے معنی دیتا ہے اور ہر مرکب اپنے اجزاء کامحتاج ہوتا ہے لیکن خداوند عالم غنی مطلق ہے یعنی وہ کسی کامحتاج نہیں لہذا مرکب ہونا بھی اس کے بارے میں کوئی معنی نہیں رکھتا ہے۔

مولی الموحدین حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام فرماتے ہیں:

(اِنَّہُ عزَّ وجلَّ اَحدُ المَعنَا یعنی بہ اَنَّہُ لا یَنقَسِمُ فی وُجُودٍ وَلاعَقلٍ وَلاوَھمٍ کَذالمعنیٰ رَبُّناعزَّوَجلَّ)(۱)

''یعنی اللہ تعالی نہ وجود خارجی میں جز رکھتا ہے نہ عقل میں نہ وہم میں اور کسی بھی قسم کا وجود ذہنی وخارجی ذات باری تعالیٰ کے بارے میں تصور نہیں کیا جاسکتا ہے،(البتہ یہاں جس وجود خارجی کی نفی کی گئی ہے اس سے مراد وجود مجسم ہے)

---

(۱) کتاب التوحید (شیخ صدوقؒ) ص۸۳،۸۴

توحید ذاتی کے بارے میں حشویہ کا عقیدہ:

حشویہ جن کو ظاہر یون بھی کہا جاتا ہے ان کا عقیدہ یہ ہے کہ خداوند عالم کے اعضاء و جوارح ہیں اور ان کی دلیل بعض آیات و روایات کے ظاہری معنی ہیں کیونکہ ان کی پوری کی پوری کوشش اس بات پر منحصر تھی کہ احادیث کو جمع کیا جائے چاہے وہ احادیث آپس میں تضاد ہی کیوں نہ رکھتی ہوں اور ان کو اس بات سے بھی کوئی سروکار نہ تھا کہ وہ احادیث قرآن کے بنیادی اصول بتانے والی آیات سے ٹکراتی ہیں یا نہیں، اسی لئے ان کو حشویہ کہتے ہیں۔(۱)

امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہیں:

(اَلْجُهّالُ یُعْجِبُهُمْ حفظهم لِلرِّوایةِ، و الْعُلَماءُ یحزنهم ترکهم لِلرِّعایةِ)(۲)

"یعنی جاہلوں نے کمر باندھ لی ہے روایات کو جمع کرنے کے سلسلے میں لیکن علماء ان سے ناراض ہیں رعایت نہ کرنے کے سلسلے میں"

---

(۱) کیونکہ حشو کے معنی ہیں اپنی جیبوں کو پر کرنے والے، حشویہ اہل سنت کے ان محدثین کو کہتے ہیں جو نقل حدیث میں دقت نہیں کرتے ہیں اسی لئے ان کی کتابوں میں کثرت سے وہ احادیث موجود ہیں جو زندیق لوگوں نے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کی احادیث میں اضافہ کیں تھیں اور یہ لوگ کسی بھی قسم کی تاویل کے اس بارے میں قائل نہیں ہیں اسی لئے یہ لوگ مسئلہ جبر و تشبیہ کے قائل ہوتے ہوئے خدا کے لئے جسم کے قائل ہیں (المنیہ والامل ص ۱۱۴)

(۲) بحار الانوار ج ۷۵ ص ۳۸۵)

اسی لئے ان کو ظاہر یوں کہتے ہیں کیونکہ وہ روایت وآیت کے ظاہری معنی کو لیتے ہیں مثلاً ﴿یَدُ اللّٰهِ فَوقَ أَیدِیهِم﴾ (۱) میں خدا کے لئے ہاتھ اور ﴿یوم یُکشَفُ عَن ساقٍ﴾ (۲) میں خدا کے لئے پاؤں کے معنی لیتے ہیں اور ﴿وُجُوهٌ یَومَئِذٍ ناضِرَةٌ اِلیٰ رَبِّها ناظِرَةٌ﴾ (۳) میں خدا کے لئے چہرے کے معنی لیتے ہیں۔

ان کے اس طرح کے عقیدے کے بارے میں ملتا ہے کہ یہ لوگ قائل ہیں کہ جہاں بھی عقلی حکم اور شرعی حکم کا آپس میں اختلاف ہو جائے تو حکم شرع، حکم عقل پر مقدم ہے اور عقل کی شریعت کے مقابل میں کوئی بھی حیثیت نہیں ہے۔ (۴)

لہٰذا اس بناء پر حشویہ فرقہ خدا کو اعضاء وجوارح کا مجموعہ قرار دیتا ہے اور توحید ذاتی جو کہ وحدانیت پروردگار ہے اس کو نہیں مانتا ہے۔

فرقہ حشویہ کو جواب:

اولاً: جو چیز مہم ہے وہ درایۃ الحدیث ہے یعنی حدیث میں غور و فکر کرنا ہے نہ کہ روایۃ الحدیث یعنی صرف حدیث کو نقل کر دینا۔

ثانیاً: اس طرح کے موارد میں عقل وشرع کے درمیان کوئی تضاد نہیں ہے بلکہ تضاد عقل کے یقینی امور اور شرع کے ظاہری وگمانی امور کے درمیان ہے۔

---

(۱) سورہ فتح آیت ۱۰

(۲) سورہ قلم آیت ۴۲

(۳) سورہ قیامت آیت ۲۲۔۲۳

(۴) تنزیہ انبیاء (ہادی معرفت) ص ۹۹

اسی لئے عقل انسانی آیۃ ﴿یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ أَیْدِیْھِمْ﴾ میں ید سے مراد قدرت خدا کے معنی لیتی ہے کیونکہ عقل کہتی ہے کہ خداوند عالم نہ جسم رکھتا ہے اور نہ کسی چیز سے مرکب ہے لہٰذا وہ اعضاء و جوارح بھی نہیں رکھتا، لہٰذا عقل جس طرح شریعت کو ثابت کرتی ہے اسی طرح شرع کی تفسیر بھی کرتی ہے بلکہ یوں کہا جائے کہ شریعت کو قبول کرنے کی اصل دلیل خود عقل ہے۔

فضائل قرآن پر ایک حدیث:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

"القران عهد الله الى خلقه فقد ينبغى للمرء المسلم ان ينظر فى عهده و ان يقرء منه فى كل يوم خمسين آيه" (۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

قرآن اللہ کی طرف سے مخلوقات کی طرف عہد نامہ ہے لہٰذا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس عہد نامہ سے روزانہ پچاس آیتیں تلاوت کرے۔

(۱) اصول کافی ج ۲ ص ۶۰۹

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دوسرا درس:

پہلے درس میں بیان ہوا کہ توحید ذاتی اللہ تعالٰی کی احدیت اور وحدانیت کو بیان کرتی ہے اور احدیت سے مراد مرکب ہونے کی نفی کرنا تھی جس کی وضاحت و تشریح ہو چکی۔

واحد ہونے کے معنی: یعنی جس کا مثل نہ ہو۔(۱)

اسی کو الوہیت بھی کہتے ہیں اس کے مقابل میں ثنویت ہے یعنی دو خدا ماننے والے۔

الوہیت: یعنی سلطنتِ مطلق، تقدم مطلق، سببیت و فاعلیتِ مطلق رکھنے والی ذات جس کے مقابل میں دوسرے کو فرض کرنا غلط اور منافات رکھتا ہو، اس لئے کہ دوسرے خدا کے فرض کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اس سے پہلے والے خدا کی قدرت وسلطنت کو کوئی اہمیت نہ دینا اور دوسرے موجود کو اس کے ساتھ لاکر بیٹھا دینا جب کہ یہ ممکن ہی نہیں کہ دو موجود آپس میں ایک دوسرے پر ترجیح رکھتے ہوں۔

---

(۱) لیس کمثلہ شیء سورہ شوریٰ آیت ۱۱، ولم یکن لہ کفوا احد سورہ اخلاص آیت ۴)

قرآن کریم میں توحید ذاتی کا ذکر:

قرآن کریم میں دو آیتیں خدا کی صفت وحدانیت واحدیت پر دلالت کرتی ہیں۔

پہلی آیت: ﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا﴾ (۱)

''یعنی اگر زمین و آسمان میں سوائے اللہ کے کئی خدا ہوتے تو اس کائنات کا نظام درہم برہم ہو جاتا''

اس آیت میں قیاس استثنائی ہے یعنی بعد کی بات کو نفی کر کے پہلی کی بات کو ثابت کرنا جس کو برہان تمانع کہتے ہیں (۲)

جس کے ذریعے خدا کی وحدانیت اور احدیت کو ثابت کرنا ہے۔

وضاحت: یہ کہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ نظام کائنات میں کسی قسم کا کوئی خلل واقع نہیں ہوا ہے لہٰذا اس بات سے ہم سمجھتے ہیں کہ کائنات میں دو خداؤں کا وجود نہیں ہے بلکہ کائنات کے موجودہ نظم وضبط خدا کے مدبر واحد ہونے کی حکایت کر رہے ہیں۔

البتہ اب یہ بحث کہ ذات خدا کے متعدد ہونے اور کائنات کے نظام کے خراب ہونے میں کیا ربط ہے؟

اس بارے میں مفسرین نے مختلف جوابات دیئے ہیں ان جوابوں میں سے جو مجموعی جواب ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ ہر ادارے اور محکمہ کا اپنا ایک سربراہ ہوتا ہے

---

(۱) سورہ انبیاء آیت ۲۱، ۲۲

(۲) برہان تمانع یہ ہے کہ دو خداؤں کے ارادوں میں تعارض کا پیش آنا مثلاً ایک خدا چاہے کہ انسان کو خلق کرے اور دوسرا اس کی مخالفت کرے۔

اگر ایک ادارے کے دو سربراہ ہوں تو یقیناً اس ادارے یا محکمہ کا نظام درہم برہم ہو جائے گا، لہٰذا خداوند عالم نے بھی اسی راہ کو استعمال کرتے ہوئے کہا کہ اگر اس نظام کائنات کو چلانے والے دو مرکز و محور ہوتے تو دونوں کے ارادے مختلف ہوتے لہٰذا نظام کائنات درہم برہم ہو کر رہ جاتا۔

علامہ محمد حسین طباطبائیؒ اپنی تفسیر میں یوں تحریر فرماتے ہیں کہ ''اگر فرض کیا جائے کہ اس کائنات کے کئی خدا ہوں تو ان کے درمیان ذاتاً و حقیقتاً اختلاف پایا جائے گا وگرنہ کئی خداؤں کا ہونا تصور نہیں ہو سکتا اور پھر ذات و حقیقت میں اختلاف ہونے کا مطلب ہے کہ کائنات کے چلانے میں بھی ان کے درمیان اختلاف پایا جائے گا اور جب کائنات کے چلانے والوں میں اختلاف ہو جائے تو یہ سبب بنے گا کہ ہر ایک کا بنایا ہوا نظام بھی ایک دوسرے کے برخلاف ہو لہٰذا ایسی صورت میں نظام کائنات کا درہم و برہم ہو جانا لازم آئے گا اور کیونکہ ہم نظام کائنات کو ایک ہی طرح کا پاتے ہیں اور ملاحظہ کرتے ہیں کہ اس کے اجزاء ہدف تک پہنچانے میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں لہٰذا اس سے ہم سمجھ لیتے ہیں کہ اس کائنات کے نظام کو چلانے والا ایک ہی ہے۔(۱)

دوسری آیت: ﴿وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ اِلٰهٍ اِذاً لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ﴾(۲)

---

(۱) تفسیر المیزان ج ۱۴ ص ۲۶۷

(۲) سورہ مومنون ۲۳ آیت ۹۱

"یعنی اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا خدا نہیں کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو اس وقت ہر خدا اپنی اپنی مخلوق کو لئے لئے پھرتے اور ایک دوسرے پر چڑھائی کرتے اور خوب لڑتے لہٰذا جو باتیں یہ لوگ خدا کی طرف نسبت دیکر بیان کرتے ہیں خدا اس سے پاک و پاکیزہ ہے۔"

یہ آیت بھی پہلی آیت کی طرح خداؤں کے متعدد ہونے کے امکان کو مسترد کر رہی ہے ارشاد ہوتا ہے اس کائنات میں کئی خدا ہوتے تو ہر ایک اپنے حکم کو نافذ کرنے کی کوشش کرتا، ایسی صورت میں ہر ایک اپنے مدمقابل کے امور میں مانع بنتا جس سے دونوں میں سے کسی ایک کے لئے بھی قدرت مطلقہ باقی نہیں رہتی یا پھر ہر ایک اپنے اپنے کام کو انجام دیتا اور دوسرے سے کوئی سروکار نہیں رکھتا تو نظام کائنات تباہ و برباد ہو جاتا۔

دو شبہات کے جوابات:

۱۔ کیونکر حرج لازم آئے اگر دونوں خدا آپس میں مفاہمت سے کائنات کے نظام کو چلائیں؟

جواب: ایک دوسرے کی مدد کرنا گویا ایک دوسرے کی طرف محتاج ہونا ہے جب کہ فرض یہ ہے کہ دونوں خدا قادر مطلق ہیں اور ایک دوسرے کی طرف محتاج نہیں ہیں کیونکہ اگر خدا ہے تو وہ قادر مطلق ہے۔

۲۔ اگر دونوں خدا اپنے اپنے پروگراموں میں ایک دوسرے کے موافق بن جائیں نہ یہ کہ ایک دوسرے کی مدد کریں یا ایک دوسرے سے مشورے کریں بلکہ ہر قسم کی مشکل کو دور کرنے میں ہم نظر ہو جائیں تو کیا حرج ہے؟

جواب: اس طرح کا عمل بھی ایک دوسرے کی عاجزی اور محتاجیت کی دلیل ہے کیونکہ جو قانون ایک خدا نے بنایا ہوا ہوگا اس کو اجراء کرنے میں وہ دوسرے سے ڈرتا ہوگا کہ کہیں یہ قانون دوسرے کے لئے پریشانی ایجاد نہ کرے یا اس دوسرے کے بنائے ہوئے قوانین میرے بنائے ہوئے قوانین کے ساتھ نہ ٹکرائیں لہٰذا مجبور ہوگا کہ دوسرے کے ساتھ ہم فکر ہو کر اپنے قوانین کو لائے اور یہ بات خدا کے قادر مطلق ہونے کے ساتھ تضاد رکھتی ہے۔

لہٰذا جب دوسرے خدا کی ضرورت پیش نہیں آتی بلکہ کئی خدا ہونے کی صورت میں فساد لازم آتا ہے تو دو خدا ہونے کا مفہوم ہی ختم ہو جاتا ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کا وحدانیت خدا کو ثابت کرنا:

امام صادقؑ نے ایک زندیق کے جواب میں وحدانیت خدا پر تین دلیلیں پیش کیں:

پہلی دلیل: دو خدا کا ہونا تین صورتوں سے خالی نہیں ہے: یا دونوں قوی ہیں یا دونوں ضعیف ہیں یا ایک قوی ہے دوسرا ضعیف ہے۔ اگر دونوں قوی ہیں تو کیوں

ایک دوسرے کو میدان سے باہر نہیں نکال دیتا تا کہ اس کی طاقت تمام طاقتوں پر بھاری رہے لہٰذا جب ایک کے مقابلے میں دوسرے کی قدرت وطاقت پائی جائے گی تو مدمقابل کی اس کے سامنے عاجزی وناتوانی پہچانی جائے گی، اور اگر دونوں ضعیف ہوں تو یہ بات قادریتِ مطلق کے ساتھ ہرگز موافق نہیں ہے اور اگر ایک کو قوی اور دوسرے کو ضعیف فرض کریں تو ہماری بات ثابت ہو جائے گی کہ خدا ایک ہی ہے جو قدرت وتوانائی رکھتا ہے اس عظیم نظام کائنات کو چلانے کی۔

دوسری دلیل: کائنات میں موجودہ نظم وضبط سے سمجھتے ہیں کہ ان کا چلانے والا ایک ہی ہے کیونکہ پوری کائنات ایک انسان کی مانند ہے کہ جس میں کئی قسم کے اعضاء وجوارح پائے جاتے ہیں جب کہ ہر ایک اعضاء وجوارح کا مخصوص کام ہے مگر روح سب کی ایک ہی ہے جو ان سب پر حکومت کر رہی ہے لہٰذا اس کائنات میں بھی اسی طرح کی خصوصیات پائی جاتی ہیں یعنی زمین آسمان، پہاڑ، دریا، ستارے، چاند، سورج ہر ایک کا اپنا مخصوص کام ہے جو الگ الگ انجام دے رہے ہیں لیکن دونوں مل کر زمین میں رہنے والے انسانوں، حیوانوں، درختوں کی خدمت انجام دے رہے ہیں، انسان اس طرح سے خلق کیا گیا ہے کہ اسے خاص چیزوں سے بنی ہوئی معین غذا کی ضرورت ہے دوسری طرف زمین میں رہنے والے حیوانات اور نباتات کو اپنی مخصوص غذا مخصوص مقدار میں ضرورت ہے، انسان سانس لینے میں ہواء کی طرف محتاج ہے زینت کے لئے سونے چاندی کی طرف محتاج ہے لہٰذا یہ دونوں چیزیں اس کی ضرورت کے لحاظ سے موجود ہیں لہٰذا ان تمام نظام کائنات کے

نظم وضبط کے ساتھ رہنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا صانع یعنی ایجاد کرنے والا خالق ایک ہی ہے۔

تیسری دلیل: دو خدا کے اعتقاد رکھنے کا لازمہ یہ ہے کہ درمیان میں فاصلے کو فرض کیا جائے کیونکہ دونوں کے درمیان جدائی فرض کئے بغیر دو کا ہونا تصور نہیں کیا جاسکتا ہے، البتہ یہ اس وقت ممکن ہے جب دونوں میں ایک لحاظ سے اتفاق اور دوسرے لحاظ سے اختلاف کو فرض کیا جائے تو پھر اس کا مطلب یہ نکلے گا کہ ایک میں جو خصوصیت ہے دوسرے میں وہ خصوصیت نہیں پائی جاتی ہے تا کہ ایک دوسرے سے امتیازی صورت اختیار کر سکے لہٰذا ایسی صورت میں ہر ایک کا اس خصوصیت میں جو دوسرے میں موجود ہے اور اس میں موجود نہیں محتاج ہونا لازم آئے گا جو کہ اس کے قادر مطلق ہونے کے ساتھ ہرگز سازگاری نہیں رکھتا ہے اور پھر ایسی صورت میں ایک تیسرے کو بھی قدیم فرض کرنا پڑے گا تا کہ ان قدیم کے درمیان دو کہنا صحیح ہو سکے لہٰذا ایسی صورت میں تین اور پھر اگر اسی روش کو لے کر چلا جائے تو تسلسل لازم آئے گا جو کہ باطل ہے۔(۱)

حضرت علیؑ جنگ صفین سے لوٹتے ہوئے امام حسنؑ سے فرماتے ہیں:

(وَاعْلَمْ يَا بُنَيَّ لَوْ كَانَ لِرَبِّكَ شَرِيكٌ لَا تَتَكَ رُسُلُهُ، وَلَرَأَيْتَ اٰثَارَ مُلْكِهِ وَسُلْطَانِهِ، وَلَعَرَفْتَ اَفْعَالَهُ وَصِفَاتِهِ، وَلٰكِنَّهُ اِلٰهٌ وَاحِدٌ كَمَا وَصَفَ نَفْسَهُ)(۲)

---

(۱)(توحید صدوقؒ ج ۱ ص ۲۴۳، اصول کافی ج ۱ ص ۸۰، ح ۵ (۲) نہج البلاغہ نامہ ۳۱

''یعنی اے میرے بیٹے حسنؑ جان لو کہ اگر پروردگار کا کوئی شریک ہوتا تو اس کے رسول نمائندے بھی تمہارے پاس آتے اور اس کی حکومت و سلطنت کے آثار بھی تم دیکھتے اور اس کے افعال وصفات بھی پہچانتے لیکن صرف وہی ایک ہے جو بندگی کے لائق ہے جس طرح سے اس نے خود کو توصیف کیا ہے۔

مولا علی علیہ السلام کے اس استدلال کا مقصد یہ تھا کہ خداوند عالم فیاض مطلق ہے اس کی بارگاہ میں کسی قسم کا ذرہ برابر بھی بخل نہیں پایا جاتا ہے اگر خدائے وحدہ لاشریک کے علاوہ دوسرے خدا ہوتے تو وہ بھی انبیاء کو اور کتب آسمانی کو اپنی مخلوق کی طرف بھیجتے لہٰذا دیگر رسل اور کتب آسمانی کا نہ آنا دوسرے خدا کے موجود نہ ہونے کی دلیل ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تیسرا درس

توحید صفاتی

خدا کی توحید صفاتی کا مطلب یہ ہے کہ خداوند عالم کی تمام صفاتِ ثبوتیہ اس کی ذاتی صفات ہیں یعنی عین ذات ہیں جو نہ اس کی ذات سے الگ ہو سکتی ہیں اور نہ انھیں ذاتِ باریٔ تعالیٰ سے الگ تصور کیا جا سکتا ہے کیونکہ مثال کے طور پر زید کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ''زید عالم'' ہے تو یہاں پر دو چیزیں ہیں ایک ذات زید اور دوسری صفتِ عالم یعنی جب زید علم حاصل کر لیتا ہے تب اسے عالم کہا جاتا ہے جب کہ اللہ تبارک تعالیٰ میں صفت عالمیت اس کی عین ذات ہے کیونکہ اگر اس کی صفت عالمیت کو صفات تکلم، ارادہ، خلقت کی طرح صفتِ فعلی قرار دیا جائے تو ذات الٰہی حوادث اور تبدیلیوں کا مرکز بن جائے گی جو کہ صحیح نہیں ہے۔

لہٰذا اسی لئے فلاسفہ اور متکلمین نے کہا ہے کہ خدا کی تمام صفاتِ ثبوتیہ عین ذات ہیں یعنی ذات پروردگار سے جدا نہیں ہیں یعنی سوائے ذات پروردگار کے کوئی دوسری چیز بعنوان صفت وخصوصیات پروردگار کے لئے نہیں ہے بلکہ اس کی صفات عین ذات اور ذات عین صفات ہے۔

سوال: فلاسفہ و متکلمین کے کلام سے اس امر کی وضاحت نہیں ہوئی کہ صفاتِ ثبوتیہ کا عین ذات ہونا مفہوم کے لحاظ سے ہے یا مصداق کے لحاظ سے؟

جواب: خدا کی صفاتِ ثبوتیہ کا عین ذات ہونا مفہوم کے لحاظ سے نہیں ہے، کیونکہ صفتِ "عالم" کا مفہوم اور ذات باریٔ تعالیٰ کا مفہوم دو علیحدہ مفہوم ہیں لہٰذا اتحاد مفہومی تو نہیں ہوسکتا اور اگر مصداق کے لحاظ سے دیکھا جائے تب بھی نہیں ہوسکتا ہے کیونکہ مصداق کے لحاظ سے دو چیزوں کا متحد ہونا صرف خدا کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ انسانوں میں بھی بہت سی صفات اس کی ذات کے ساتھ متحد ہوجاتی ہیں۔

لہٰذا خداوند عالم کی تمام صفات چاہے صفات ذاتی ہوں یا صفات فعلی سب کی سب ذہن کی تراشی ہوئی ہیں یعنی ذات باریٔ تعالیٰ کے مقام سے یہ صفات مقصد و ہدف کے تحت ظاہر ہوتی ہیں (۱)

لہٰذا صفات پروردگار کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ (خُذِ الغایات وَاترُکِ المبادی) اگرچہ لوگوں نے اس تعبیر کو خدا کی صفات فعلی کے بارے میں لیا ہے، لیکن خدا کی صفات ذاتیہ بھی ایسی ہی ہیں نتیجہ یہ نکلا کہ صفاتِ خدا اعتباری

(۱) برخلاف صفات اعتباری محض کے مثلاً مرد و عورت کے درمیان صیغہ نکاح سے زوجیت کا ایجاد ہونا جب کہ یہ صفت زوجیت صیغہ طلاق کے ذریعے یا شوہر کے کافر ہوجانے کے سبب ختم ہوجاتی ہے جب کہ خدا کی ذاتی صفات ایسی نہیں کہ کبھی اس کے ساتھ ہوں اور کبھی نہ ہوں۔

وانتزاعی ہیں جو مقام ذات پروردگار سے عالم مادی میں منتقل ہوتی ہیں نہ کہ خود ذات پروردگار سے لہٰذا اس بات سے مندرجہ ذیل مطالب واضح ہو جاتے ہیں۔

۱۔ خدا کی صفات کے عین ذات ہونے سے مراد نہ عینیتِ مفہومی ہے اور نہ مصداقی۔

۲۔ خدا کی تمام صفات اس کے لئے حقیقت اور واقعیت رکھتی ہیں۔

۳۔ صفات باریٔ تعالیٰ اعتباری وانتزاعی ہیں جیسے چار کے ہندسے کے لئے زوج ہونا نہ یہ کہ اعتبار محض ہیں جیسے مرد و عورت کے درمیان زوجیت ہے۔

۴۔ صفات خدا، خدا سے ملی ہوئی نہیں ہیں کیونکہ اس نظریہ سے کئی خدا کا ہونا لازم آتا ہے۔

حضرت علیؑ خدا کی صفات کے عین ذات ہونے کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

(اَوَّلُ الدِّینِ مَعْرِفَتُهُ وَكَمَالُ مَعْرِفَتِهِ التَّصْدِيقُ بِهِ وَكَمَالُ التَّصْدِيقِ بِهِ تَوْحِيدُهُ، وَكَمَالُ تَوْحِيدِهِ الْإِخْلَاصُ لَهُ، وَكَمَالُ الْإِخْلَاصِ لَهُ نَفْيُ الصِّفَاتِ عَنْهُ، لِشَهَادَةِ كُلِّ صِفَةٍ أَنَّهَا غَيْرُ الْمَوْصُوفِ، وَشَهَادَةِ كُلِّ مَوْصُوفٍ أَنَّهُ غَيْرُ الصِّفَةِ، فَمَنْ وَصَفَ اللّٰهَ سُبْحَانَهُ فَقَدْ قَرَنَهُ، وَمَنْ قَرَنَهُ فَقَدْ ثَنَّاهُ، وَمَنْ ثَنَّاهُ فَقَدْ جَزَّأَهُ وَمَنْ جَزَّأَهُ فَقَدْ جَهِلَهُ") (۱)

(۱) نہج البلاغہ خطبہ ۱

''یعنی دین کی پہلی سیڑھی خدا کو پہچاننا ہے اور اس کی معرفت حاصل کرنے کا کمال یہ ہے کہ اس کی تصدیق کی جائے اور کمال تصدیق یہ ہے کہ اس کی وحدانیت کی گواہی دی جائے اور گواہی کا کمال اس کے اخلاص میں اور کمال اخلاص یہ ہے کہ اس کو صفات کے علیحدہ وجود سے پاک و منزہ قرار دیا جائے کیونکہ یہ صفات گواہی دیتی ہیں کہ وہ اپنے موصوف سے جدا ہیں اور موصوف گواہی دے رہا ہے کہ میں ان صفات سے بری الذمہ ہوں، لہٰذا جو بھی خدا کو ان صفات سے منسوب کرتا ہے گویا اس نے ان صفات کو ذات باریٔ تعالیٰ سے ملا ہوا تصور کیا گویا اس نے کئی خدا تصور کیے اور جو بھی ذات پروردگار میں تعدد کا شکار ہوا گویا اس نے خدا کے لئے اجزاء کو قرار دیا اور جس نے بھی ایسا کیا گویا اس نے خدا کو پہچانا ہی نہیں''

امیر المومنین علیؑ ابن ابی طالبؑ کے اس فرمان میں صفاتِ خدا کو عین ذات قرار دیا گیا ہے اور فرماتے ہیں کہ اگر ذات کے لئے کسی صفت کو تصور کیا جائے تو دو چیزوں کا ہونا لازم آتا ہے ایک خود ذات اور دوسری اس کی صفت اور یہ وہی دوگانہ پرستی ہی ہے لہٰذا نتیجہ ذات پروردگار سے جاہل ہونا لازم آئے گا۔

خدا کی صفاتِ ذاتی اور صفاتِ فعلی میں فرق:

صفات ذاتی ان صفات کو کہتے ہیں جو عدم سے وجود میں نہ آئی ہوں بلکہ ازلی و قدیمی ہوں جیسے خدا کی صفت ''علم'' ہے صفات فعلی وہ صفات ہیں جو عدم سے وجود میں آتی ہیں اور ذات باریٔ تعالیٰ کے لئے عارض ہوتی ہیں مثلاً خدا کی صفت

خالقیت یعنی پہلے خالق نہیں تھا موجودات کو خلق کرنے کے بعد خالق کہلایا۔

خدا کی ذاتی صفات کے بارے میں اشاعرہ کا عقیدہ:

اشاعرہ خدا کی صفات ذاتی کو ذات خدا سے نزدیک اور ہمدم کے معنی کرتے ہیں لہٰذا ان کے مذہب کے لحاظ سے خدا کو قادر کہنے کا مطلب یہ ہے کہ قدرت اس کی ذات سے ملی ہوئی ہے اسی طرح خدا کو عالم کہنے کا مطلب یہ ہے کہ علم اس کی ذات سے منسلک ہے لہٰذا اسے عالم کہا گیا گویا ان کے نزدیک خدا کے لئے عالمیت کا استعمال اسی طرح ہے جس طرح انسانوں کے لئے عالمیت کا استعمال ہوتا ہے لہٰذا اشاعرہ جو کہ معارف انسانی پر عقل کی حاکیت کو نہیں مانتے ہیں اسی لئے اس طرح کے عقیدے کے قائل ہوئے ہیں البتہ اس جدید دور کے اہل سنت روشن فکر لوگ اشاعرہ کے اس نظریہ کو نہیں مانتے ہیں۔

خدا کی صفات جمال اور جلال کی تعداد:

شیخ صدوقؒ نے ۹۹ صفات خدا کو ذکر کیا ہے(۱)

جب کہ دعاءِ جوشن کبیر میں ایک ہزار کے قریب صفات خدا کا ذکر ہوا ہے جن میں سے اکثر صفات ترکیبی ہیں کیونکہ صفات خدا نامحدود اور وہ اس لئے کہ خود ذات باریٔ تعالیٰ لامحدود ہے اور تمام صفاتِ کمالیہ کا نمونہ ہے جیسا کہ حضرت علیؑ نہج البلاغہ کے پہلے خطبہ میں یوں ارشاد فرماتے ہیں:

---

(۱) توحید شیخ صدوق ص ۱۹۴/۸

(الذی لیس لصفته حد محدود و لا نعت موجود) اور پھر خطبہ ۴۸ میں یوں فرماتے ہیں (لم یطلع العقول علی تحدید صفته) البتہ خدا کی مشہور و معروف صفات جمال (جن کو صفاتِ ثبوتیہ بھی کہتے ہیں) آٹھ ہیں جن کو مندرجہ ذیل شعر میں سمیٹا گیا ہے۔

عالم ہے اور قادر وحی و مرید و مدرک۔ قدیم ہے ازلی اور متکلم و صادق

اور جو خدا کی مشہور ترین صفات جلال (جن کو صفاتِ سلبیہ بھی کہتے ہیں) وہ سات ہیں جو اس طرح سے ذکر ہیں۔

نہ مرکب ہے نہ جسم نہ مرئی ہے نہ محل۔ تو بغیر شریک کے غنی ہے اور تیری ذات عین صفات ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

چوتھا درس:

گذشتہ درسوں میں توحید کے مراتب کی گفتگو ہوئی توحید ذاتی و توحید صفاتی اور اس درس میں خدا کی توحید میں سے تیسرے مرتبہ کی صفت کا ذکر کریں گے اور وہ ہے توحید افعالی۔

۳۔توحید افعالی:

یعنی اس بات کا اعتقاد کہ تمام کائنات اور تمام اعمال چاہے وہ اعمال اختیاری ہوں یا غیر اختیاری اپنے تمام علل و معلول کے ساتھ ارادۂ و مشیت پروردگار کے بغیر انجام نہیں پاتے ہیں اور کوئی بھی اس کی خالقیت اور رزاقیت میں اس کا شریک نہیں ہے۔

وضاحت: جتنے بھی کام اس کائنات میں انجام پاتے ہیں چاہے افعالِ اختیاری ہوں جیسے بات کرنا راستہ چلنا یا افعالِ غیر اختیاری ہوں جیسے سورج کا تپش دینا، لرزہ طاری ہونے والے مریض کے ہاتھوں کا لرزنا یہ سب خدا کے کام ہیں، اب رہ جاتی ہے یہ بات کہ انسان اپنے افعال اختیاری میں کیا کردار پیش کرتا ہے؟ یا یہ کہ انسان کے افعال اختیاری میں خدا کا کیا کردار ہے؟ یہ ایک علیحدہ بحث ہے جس

کو (استطاعت) سے تعبیر کیا جاتا ہے .اور استطاعت سے یہاں مراد وہ قوت و طاقت ہے کہ جس کے ذریعے انسان کسی کام کو انجام دیتا ہے یا چھوڑتا ہے،

استطاعت اور قدرت کے درمیان فرق:

قدرت یعنی کسی فعل کے بجالانے یا چھوڑنے کے اختیار کا نام ہے اور استطاعت خود فعل کے انجام دینے یا ترک کرنے کی توانائی کا نام ہے مثلاً اگر کسی انسان نے کوئی کام انجام دیا تو کہا جاتا ہے کہ وہ اس فعل پر استطاعت رکھتا تھا یا اگر کوئی فعل کسی نے چھوڑا تو کہا جاتا ہے کہ اس نے فلاں فعل ترک کیا۔

نکتہ: خدا کی صفات افعالی کے بارے میں اشاعرہ اور معتزلہ دونوں ایک دوسرے کے مقابل میں آ کر ایک نے افراطی راہ اختیار کر لی اور دوسرے نے تفریطی راہ لیکن مذہب امامیہ نے اعتدال والی راہ کو اختیار کیا ہے۔

خدا کی صفات افعالی کے بارے میں اشاعرہ کا عقیدہ:

اشاعرہ (جن کو جبریہ بھی کہا جا سکتا ہے) کہتے ہیں کہ انسان اپنے افعال میں کسی بھی قسم کا کوئی اختیار نہیں رکھتا ہے نتیجتاً وہ اپنے تمام امور میں خدا کا محتاج ہے لہٰذا کسی فعل کے اختیاری طور سے انجام پانے اور غیر اختیاری طور سے انجام پانے کے درمیان کسی بھی فرق کے قائل نہیں ہیں کیونکہ تمام افعال کو اللہ کی طرف نسبت دیتے ہیں اور پھر اپنے اس عقیدے پر مندرجہ ذیل دلیلیں پیش کرتے ہیں۔

۱۔ خداوند عالم قادرِ مطلق ہے اور اس کی قدرت میں کسی قسم کی محدودیت تصور نہیں کی جا سکتی ہے اور اگر انسان اپنے افعال میں خدا کے دائرہ قدرت سے

خارج ہو جائے اور اپنے افعال میں خود مختار ہو جائے تو اس طرح خدا کی قدرت مطلقہ میں محدودیت لازم آتی ہے جو کہ صحیح نہیں۔

۲۔ بندوں کے صاحب اختیار ہونے کا عقیدہ رکھنا گویا خلقتِ خدا میں شرک کرنا ہے کیونکہ انسان سے جو افعال انجام پاتے ہیں اگر اس کے خود صاحب اختیار ہونے کی وجہ سے ہیں تو گویا خدا کے علاوہ ایک اور فاعل مختار کا عقیدہ رکھنا ہے جو اپنے افعال کا ایجاد کرنے والا ہے یہ وہی خلقتِ خدا میں شرک کرنا ہے اور خدا ہر قسم کے شرک سے بری ہے۔

۳۔ آیات قرآنی بھی اس مطلب پر دلالت کرتی ہیں کہ انسان اپنے افعال میں کسی بھی قسم کا اختیار نہیں رکھتا ہے اور تمام امور خداوند تبارک تعالیٰ کی طرف سے انجام پاتے ہیں۔

۱۔ ﴿ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خٰلِقُ كُلِّ شَیْءٍ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ (۱)

''یعنی اللہ ہی تم سب کا پروردگار ہے جو ہر چیز کا خالق ہے اور کوئی معبود نہیں سوائے اس کے''

۲۔ ﴿خَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِیْرًا﴾ (۲)

''یعنی اللہ نے ہر چیز کو پیدا کیا اور پھر اس کی راہ کو مشخص کیا''

---

(۱) سورہ غافر ۴۰ آیت ۶۲

(۲) سورہ فرقان ۲۵ آیت ۲

۳. ﴿وَاللّٰہ خَلَقَکُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ.﴾(۱)

''یعنی خدا نے تمہیں اور جو کچھ انجام دیتے ہو پیدا کیا ہے''

۴. ﴿وَمَا تَشَاؤُنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَاءَ اللّٰہُ﴾(۲)

''یعنی ممکن ہی نہیں ہے کہ تم لوگ خود سے کچھ چاہو مگر جو خدا چاہے''

لہٰذا اشاعرہ اپنے اس عقیدے کے تحت اللہ تعالیٰ کے عادل ہونے کے بھی قائل نہیں ہیں کیونکہ خود ان کے اس عقیدے کے تحت انسان جو بھی کام انجام دیتا ہے اچھے ہوں یا بُرے وہ سب خدا کے ہیں کیونکہ انسان دونوں صورتوں میں بے بس و مجبور ہے۔

اگر اس فرقہ سے یہ سوال کیا جائے کہ پس کیونکر خداوند عالم اپنے بندوں کے اچھے اعمال پر جزاء اور بُرے اعمال پر سزا دے گا تو وہ جواب دیتے ہیں کہ یہ امر طے شدہ ہے یعنی بس خدا نے اسی طرح چاہا ہے، انسان کسی بھی چیز کا مستحق نہیں ہے کیونکہ جس نے گناہ کیا ہے یا اچھا کام کیا ہے تو وہ اس نے اپنے اختیار سے تھوڑی انجام دیا ہے اشاعرہ کا اصلی ہدف خدا کی قدرت کو ہر چیز میں لاکر وسعت دینا ہے اور اس سے شرک کی نفی کرنا ہے۔

خدا کی توحید افعالی کے بارے میں معتزلہ کا نظریہ:

معتزلہ (جن کو مفوضہ بھی کہتے ہیں) ان کا عقیدہ بالکل اشاعرہ کے برعکس

---

(۲) سورہ صافات ۳۷ آیت ۹۶

(۳) سورہ انسان ۷۶ آیت ۳۰ اور سورہ تکویر ۸۱ آیت ۲۹

ہے وہ کہتے ہیں کہ انسان سے اس کے تمام اختیار کا سلب کر لینا خدا کے عدل سے کوئی سروکار نہیں رکھتا ہے لہٰذا انسان اپنے تمام افعال میں خود مختار ہے اور خداوند عالم اس کے افعال میں ذرہ برابر بھی دخالت نہیں رکھتا ہے، اس فرقہ نے بھی صرف انھیں آیات کے ذریعے سے دلیل پیش کی ہے جن میں انسان کے صاحب اختیار ہونے کا ذکر ہے اور جن آیات میں تمام کاموں کو خود انسانوں کی طرف نسبت دی گئی ہے پیش کرتے ہیں۔

۱. ﴿وَمَا ظَلَمْنَاهُمْ وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ﴾ (۱)

''یعنی ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا خود انھوں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے''

۲. ﴿فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُبُونَ الْكِتَابَ بِأَيْدِيهِمْ﴾ (۲)

''یعنی لعنت ہو ان پر جو قرآن جیسی کتاب کو اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں''

توحید افعالی کے بارے میں امامیہ کا نظریہ: (۳)

امامیہ نہ جبر کے معتقد ہیں اور نہ تفویض کے قائل ہیں بلکہ (لا جبر ولا تفویض بَلِ الْاَمْرُ بَيْنَ الْاَمْرَيْنِ) کے قائل ہیں۔

---

(۱) سورہ نحل آیت ۱۱۸، سورہ ہود آیت ۱۰۱ سورہ زخرف آیت ۷۶

(۲) سورہ بقرہ آیت ۷۹

(۳) البتہ فرقہ کامیہ سے مراد فقط بارہ امامی ہیں

وضاحت: انسان اپنے ارادے میں تو مستقل ہے لیکن اپنے افعال میں بالکل مستقل نہیں ہے کیونکہ انسان کی خلقت ایسی ہے کہ وہ اپنے تمام کام کو انجام دینے میں آزاد اور مستقل تو ہے مگر اس کام کو انجام دینے میں خدا کی طرف سے عطا شدہ قدرت کا بہر حال محتاج ہے اور یہ وہی (بل الْاَمْرُ بین الامرین) والا نظریہ ہے۔

اور یہ کہ انسان اپنے افعال میں مختار ہے وہ اس لئے کہ انسان کسی مقصد کے لئے پیدا کیا گیا ہے تا کہ ان پوشیدہ صلاحیتوں کو ظاہر کرے اور ان کو کمال تک پہنچائے، البتہ اپنے ارادے پر قدرت پانا یہ انسان کے اپنے امکان میں نہیں ہے بلکہ اذن خدا پر موقوف ہے،

لہٰذا انسان کا کام اپنے افعال اختیاری کے ارادے میں مستقل ہونا ہے اور خدا کا کام انسان کے افعال اختیاری کے تصرف میں اذن دینا ہے۔

اسی لئے کہا جاتا ہے کہ جس طرح سے ممکن الوجود اپنے موجود ہونے میں واجب الوجود کا محتاج ہے اسی طرح اپنی بقا اور دوام میں بھی واجب الوجود کا محتاج ہے اس لئے کہ جب ممکن الوجود، وجود میں آتا ہے تو وہ اپنی حالت کو بدل نہیں سکتا جب تک واجب الوجود اس پر کرم نہ کرے۔

یہی مندرجہ ذیل آیات کا مفہوم ہے:

۱. ﴿اَفَرَاَیْتُمْ مَا تَحْرُثُوْنَ ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَ﴾(۱)

''یعنی یہ جو تم اناج بوتے ہو اس سے زراعت ہم اگاتے ہیں یا تم''

۲. ﴿وَمَا تَشَاؤُنَ اِلَّا اَنْ یَّشَاءَ اللّٰهُ﴾(۲)

''یعنی تم لوگ تو کچھ چاہتے ہی نہیں سوائے اس کے جو خدا چاہتا ہے''

۳. ﴿وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ رَمٰی.﴾(۳)

''یعنی اے پیغمبر آپ نے ان کے چہروں پر خاک نہیں پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی''

لہٰذا انسان کا کام کسی چیز کو وجود میں لانے اور اپنے افعال اختیاری کو انجام دینے میں ہزار شرائط میں سے صرف ایک شرط کو وجود بخشنا ہے اور وہ بھی یہ ہے کہ گندم کے دانے کو اس کے عوامل طبعی کے حوالے کر دیتا ہے جو کہ مثلاً گندم کا زمین میں بو دینا ہے لیکن وہ جو اس گندم سے درخت کو وجود بخشتا ہے اور درخت کو پروان چڑھاتا ہے وہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور وہی جو اگر ایک لمحہ کے لئے ہی سہی اپنے

---

(۱) سورہ واقعہ آیت ۶۳، ۶۴

(۲) سورہ انسان آیت ۳۰، تکویر آیت ۲۹

(۳) سورہ انفال آیت ۱۷

فیض کو مخلوقات سے روک لے تو ہر چیز اپنی اپنی خاصیت سے ہاتھ دھو بیٹھے گی مثلاً حضرت ابراہیمؑ کو جب آگ میں پھینکا گیا تو آگ کو جلا دینے کی خاصیت نہیں دی گئی یا جب حضرت ابراہیمؑ کے ہاتھ سے چاقو جب حضرت اسماعیلؑ کی گردن پر پہنچا تو اس چاقو سے کاٹنے کی خاصیت لے لی گئی تھی، جب خداوند عالم نے انسان کو پیدا کیا تو فرمایا:

﴿اِنِّي جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيفَةً﴾(۱)

''یعنی میں زمین پر اپنا جانشین بنانے والا ہوں، یہ سب اس لئے تھا کہ انسان کو قدرت دی گئی کہ اپنے کاموں کو خود انجام دے اسی لئے تمام کاموں کو انسان کا محتاج بنایا لہٰذا ارشاد ہوا:

﴿اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾(۲)

''یعنی جو کچھ زمین اور آسمانوں میں ہے اس کو تمہارے لئے مسخر کیا ہے''

حتی ملائکہ کو انسان کے ارادے کا تابع بنایا اور ان کو حکم دیا کہ انسان کے ارادوں کے مقابل میں خضوع سے پیش آؤ:

﴿وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا﴾(۳)

''یعنی یاد کرو اس وقت کو جب ہم نے ملائک کو آدم کے آگے سجدہ کرنے کا حکم دیا تو فوراً سب نے سجدہ کر لیا''

---

(۱) سورہ بقرہ آیت ۳۰ (۲) سورہ لقمان آیت ۲۰

(۳) سورہ بقرہ آیت ۳۴

لہذا معلوم ہوا کہ اللہ نے انسان کو اس کے ارادے میں آزاد چھوڑ دیا ہے اس کو کسی چیز میں مجبور نہیں کیا،

ایک حدیث میں امام رضاؑ سے نقل ہوا ہے:

(قال اللّٰهُ تعالیٰ یَابْنَ آدمَ بِمَشِیئَتِي کُنْتَ أنْتَ الَّذِي تَشَاءُ وَبِنِعْمَتِي (بِقُوَّتِي) أدَّیْتَ إلیٰ فَرَائِضِي وَبِقُدْرَتِي قَوِیْتَ علیٰ مَعْصِیَتِي جَعَلْتُکَ سَمِیعاً، بصیراً، مَا أصَابَکَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَا أصَابَکَ مِنْ سَیِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِکَ وَذَالِکَ أنِّي بِحَسَنَاتِکَ مِنکَ وَأنْتَ أوْلیٰ بِسَیِّئَاتِکَ مِنِّي وَذَالِکَ أنِّي لَاأُسْألُ عَمَّا أفْعَلُ وَهُمْ یُسْألُونَ.) (۱)

"یعنی میری مشیت کے تحت جو کچھ تم چاہو گے انجام پائے گا میں نے تمہیں قدرت و توانائی دی ہے تاکہ تم اس سے میرے بتائے ہوئے واجبات پر عمل کرو، حتی تم گناہ کے مرتکب ہوئے تو وہ بھی عطا کردہ قدرت کے ذریعے ہے اور تم کو میں نے ہر چیز سے آگاہ کر دیا ہے اور دیکھنے والا سننے والا پیدا کیا ہے تاکہ اپنے کاموں کو عقل و شعور کے ساتھ انجام دو لہذا میں تمہارے نیک کاموں میں خود تم سے زیادہ حق دار ہوں اور تم اپنے بُرے کاموں میں مجھ سے زیادہ حق دار ہو کیونکہ میرے کاموں کے بارے میں کوئی مجھ سے نہیں پوچھے گا بلکہ لوگوں سے ان کے کاموں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

---

(۱) قرب الاسناد ص ۱۵۱، اصول کافی ج ۱ کتاب توحید ح ۱۲

سوال: نیکی اور بُرائی میں کیا فرق ہے کہ جو خداوند عالم نے نیکیوں کے انجام دینے میں اپنے آپ کو حق دار قرار دیا ہے اور بُرے کام کے انجام دینے میں خود انسان کو مسؤل قرار دیا ہے جب کہ یہ بات پہلے ذکر ہو چکی ہے کہ انسان کے تمام اعمال چاہے اختیاری ہوں یا غیر اختیاری اچھے ہوں یا بُرے سب کے سب خدا کی دی ہوئی قدرت سے انجام پاتے ہیں۔

جواب: یہ ہے کہ نیک کاموں پر خدا کی طرف سے قدرت کا عطا ہونا تو واضح و روشن ہے لیکن بُرے کاموں پر قدرت خدا نے صرف اس لئے دی ہے کہ وہ اچھے اور بُرے کی خود سے تمیز دے کر اچھے کو اختیار کرے تا کہ اعلیٰ کمال کے درجات کو پا سکے تا کہ انسان اپنے اختیارات کے بارے میں شکایت نہ کر سکے کہ خدایا تو نے تو مجھے ایک طرفہ قدرت دی تھی سورج و چاند کی مانند پھر اب تو مجھ سے کس چیز کا امتحان لینا چاہتا ہے۔

بالفاظ دیگر یوں کہا جائے کہ انسان کے نیک کاموں میں خدا کا ارادۂ تکوینی و تشریعی دونوں ساتھ ساتھ ہیں مگر انسان کے بُرے کاموں کے بارے میں خدا کا فقط ارادۂ تکوینی ہے انسان کے بُرے اعمال کے بارے میں خدا کا ارادۂ تشریعی ہرگز تعلق نہیں رکھتا ہے۔

لہٰذا کیونکہ نیک کاموں میں خدا کی طرف سے قدرت اور اذن تکوینی و تشریعی ہے اسی لئے خدا نے کہا کہ تمہارے نیک کاموں میں تم سے زیادہ میں ان

میں حق دار ہوں"

لیکن بُرے کاموں میں قدرت اور اذن تکوینی تو خدا کی طرف سے ہے لیکن اذن تشریعی خدا کی طرف سے نہیں ہے اسی لئے خدا نے کہا کہ تم اپنے بُرے کاموں میں خود زیادہ حق دار ہو"

فضائل قرآن پر ایک حدیث:

قال امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام:

"واعلموا ان هذا القران هو الناصح الذی لا یغشّ والهادی الذی لا یضلّ والمحدّث الذی لا یکذب"(۱)

حضرت علی علیہ السلام نے ارشاد فرمایا: جان لو کہ یہ قرآن ایسا ناصح ہے کہ جس میں دھوکہ نہیں اور ایسا ہادی ہے کہ جو گمراہ نہیں کرتا ایسا گفتگو کرنے والا ہے کہ جو جھوٹ نہیں بولتا۔

(۱) نہج البلاغہ خ ۱۷۶

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پانچواں درس

قضاوقدر

یہ بحث علم عقائد کی مشکل ترین بحث ہے مختلف مکاتب فکر میں اس کی مختلف طریقوں سے تفاسیر کی گئیں ہیں مگر سب کا ہدف یہ رہا ہے کہ انسان کی آزادی کی حدود کو معین کریں۔

قضاوقدر کے بارے میں اشاعرہ کا عقیدہ:

اشاعرہ نے اپنے مذہب کے مطابق قضاوقدر کے معنی کو جبر کے معنی میں لیا ہے اور کہا ہے کہ انسان اپنے حالات کا تابع ہے اور جو کچھ انسان اس دنیا میں انجام دیتا ہے وہ قضاء وقدر الٰہی کے تحت ہے جو ازل سے اس کے لئے تقدیر کا نوشتہ بنا کر لکھ دیا گیا ہے اور انسان کے پاس سوائے ان مقرر کئے گئے افعال کے بجالانے کے لئے کوئی اور راستہ نہیں ہے۔(۱)

---

(۱) اشاعرہ کہتے ہیں کہ (قدر) یعنی خدا نے اول خلقت میں ہی ہر چیز کو معین کر دیا ہے اور (قضاء) یعنی خارج میں حتمی شدہ افعال کے حتمی طور پر واقع ہونے کی مہر لگا دی ہے

پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ اشاعرہ قدرت خدا کو بڑا شمار کرنے کے نتیجے میں اس طرح کے عقیدے کا شکار ہو گئے اور خدا کی عدالت کا انکار کر بیٹھے کیونکہ جبر مسئلہ عدالت کے ساتھ تضاد رکھتا ہے۔

اشاعرہ (جبریہ) کے نظریے کے تحت انسان اپنے تمام افعال میں حتی ایمان وکفر کے مسئلے میں بھی کسی قسم کا اختیار نہیں رکھتا، حقیقت میں جو بھی واقعہ رونما ہوتا ہے وہ بلاواسطہ خدا کی طرف سے وجود میں آتا ہے اس کے علاوہ کوئی چیز اس کے واقع ہونے میں دخالت نہیں رکھتی۔(۱)

مثلاً اگر آگ جلانے کا کام انجام دیتی ہے تو اس میں خدا کا ارادہ شامل ہے کہ اس نے جلانے کو خلق کیا ہے نہ اس وجہ سے کہ آگ کا کام جلانا ہے۔ اشاعرہ کچھ آیاتِ قرآنی سے مدد لیتے ہوئے ہدایت وگمراہی کی نسبت خدا کی طرف دیتے ہیں اور غیر خدا سے قدرت کو سلب کر لیتے ہیں:

﴿تُضِلُّ بِهٖا مَنْ تَشَاءُ وَتَهْدِي مَنْ تَشَاءُ﴾(۲)

''تو جسے چاہے اسے گمراہی میں چھوڑ دے اور جس کو چاہے ہدایت کرے''

﴿وَمَا تَشَاؤُنَ اِلَّا اَنْ يَشَاءَ اللّٰهُ﴾(۳)

---

(۱) علماء اشاعرہ کی کتابیں قواعد واحکام جبر سے بھری ہوئی ہیں حتیٰ بعض نے سورہ انعام کے شان نزول کو اپنے مذہب جبر کی دلیل بنایا ہے تفسیر کبیر ج ۱۳ ص ۲۲۷

(۲) سورہ اعراف آیت ۱۵۵

(۳) سورہ تکویر آیت ۲۹

''اور تم کچھ چاہتے ہی نہیں مگر وہی جو سارے جہانوں کا پالنے والا خدا چاہتا ہے''

یہ نکتہ بھی قابل ذکر ہے کہ اہل سنت کے مختلف روشن فکر لکھنے والے افراد نے اشعری مذہب (جو کہ دور حاضر میں تمام اہل سنت پر حاکم ہے) کو تسلیم نہیں کیا ہے اور مذہب اشعری کو قبول نہیں کیا۔

احمد امین مصری لکھتے ہیں:

''اس وقت سے مسلمانوں کی پستی کا دور شروع ہوا جب سے ان میں یہ عقیدہ رائج ہوا کہ انسان اپنی لکھی ہوئی قسمت کا تابع ہے اور یہ عقیدہ ۴ھ ہجری میں قائم کیا گیا اس میں تین مہم اتفاقات پیش آئے (۱) مذہب معتزلہ کی چھٹی ہوگئی (۲) باب اجتہاد بند ہوگیا (۳) اور مذاہب اسلامی چار فرقوں میں قرار پائے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمان ہر قسم کی ترقی سے دور رہے (قرآن کی قرائت قراء سبعہ تک محدود ہوگئی)(۱)

پیغمبرؐ نے اس قسم کا عقیدہ رکھنے والوں پر لعنت کی ہے:

(لَعَنَ اللّٰہُ الْقَدَرِیَۃَ عَلٰی لِسَانِ سبعینَ نَبیاً،قیل: یا رسول اللّٰہ مَنِ الْقَدَرِیَۃُ ؟قال: اَلَّذینَ یَعْصُونَ اللّٰہَ تعالیٰ، وَیَقُولُونَ : کَانَ ذَالِکَ

---

(۱) ظہر الاسلام ج ۳ ص ۷۰ اگرچہ ان کی مزید دو کتابیں اور ہیں (۲) فجر الاسلام (۳) ضحٰی الاسلام

بِقَضاءِ اللّٰهِ وَقَدَرِہٖ) (۱)

''یعنی خداوند عالم نے ۷۰ انبیاء کی زبانی قدریہ پر لعنت کی ہے ایک گروہ نے سوال کیا یا رسول اللہ قدریہ کون لوگ ہیں؟ تو آپؐ نے فرمایا ''جو گناہ کرتے ہیں اور اس کی نسبت خدا کی طرف دیتے ہیں''

قضاوقدر کے بارے میں امامیہ اور معتزلہ کا عقیدہ:

یہ دونوں مذاہب اشعری مذہب کے بالکل برعکس میں ہیں کیونکہ ان دونوں فرقوں کا عقیدہ ہے کہ خداوند عالم بندوں کے افعال کی انجام دہی کے بارے میں ازل سے علم اجمالی وتفصیلی رکھتا ہے اور یہ لوگ قضاء وقدر کے بارے میں کہتے ہیں (قدر) یعنی معین کرنا کسی چیز کا یعنی خداوند عالم نے ازل سے ان چیزوں کو جن کو انسان اپنی زندگی میں انجام دے گا ان کی ان کے شرائط وعوامل کے ساتھ پیش بینی کر چکا ہے. (قضاء) یعنی کسی چیز کا نافذ ہونا، اس کا حتمی ہونا ہے یعنی خدا کا ارادہ اس بات پر طے پایا ہے کہ انسان جس طرح چاہے عمل انجام دے. لہذا ہمارے عقیدے کے مطابق (قدر) سے مراد علم خداوندی ہے بندوں کی مصلحت ومفسدہ کے اعتبار سے اور (قضاء) سے مراد خدا کے ارادے کا نافذ ہونا ہے تکوین اشیاء یا تشریع احکام کے بارے میں وہ قضاء جو بندوں کے افعال کے ساتھ تعلق رکھتی ہے قانون گذاری اور ذمہ داریوں اور تکالیف کے لازم کرنے کے معنی میں ہے۔

---

(۱) شرح اصول خمسہ ص ۷۷۵ (قاضی عبدالجبار)

لہٰذا اس بارے میں کچھ آیات اور روایات کو ملاحظہ کیجئے:

۱۔ حضرت علیؑ جنگ صفین کے بعد کوفہ میں تشریف فرما تھے کہ کسی نے آکر سوال کیا: اے امیر المؤمنینؑ کیا یہ ہمارا شامیوں سے جنگ کے لئے جانا قضاء وقدر الٰہی تھا؟ حضرت نے جواب دیا کہ ہاں! تو وہ شخص کہنے لگا "تو پھر مجھے اس راہ میں جو زخم لگے یا تکلیفیں ہوئیں ان کو خدا کے حساب میں قرار دیتا ہوں (۱)

حضرت علیؑ نے اس کو یوں جواب دیا:

(ویحک العلک ظننت قضاءً لازماً، وقدراً حاتماً! ولو کان کذالک لَبطل الثوابُ والعقابُ، وسقط الوعد والوعید. اِنّ اللّٰہ سبحانہ أمرعباہ تخییراً، ونہاھم تحذیراً، وکلّف یسیراً، ولم یُکلّف عسیراً، وأعطی علی القلیل کثیراً، ولم یعصَ مغلوباً، ولم یُطع مُکرھاً.)(۲)

"یعنی لعنت ہو تجھ پر اے مرد شامی کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ قضاء وقدر کی معنی جبر کے ہیں اگر ایسا ہوتا تو ثواب اور عذاب، جنت کی طرف رغبت دلانا، جہنم سے ڈرانا یہ سب بیکار کام تھے بلکہ خداوند عالم نے اپنے بندوں کے دوش پر رکھا ہے. کوئی زبردستی اس کی معصیت نہیں کرتا ہے اور نہ مجبور ہو کر اس کی اطاعت کرتا ہے"

---

(۱) یعنی جانا جب قضاء وقدر الٰہی تھا تو مجھے اس پر کوئی اجر وثواب نہیں ملے گا.

(۲) نہج البلاغہ حکمت ص ۷۸

۲۔ایک روایت میں امام صادقؑ سے نقل ہوا ہے:

(اِنَّ اللّٰہَ اِذا اَرادَ شَیْئاً قَدَّرہ،فَاِذا قَدَّرہ قضاہ وَاِذا قضاہ اِمضاہ)(۱)

''یعنی جب کسی چیز یا کام کے بارے میں ارادۂ خداوندی قرار پاتا ہے کہ انجام پائے تو پہلے اس کے تمام نتائج کو دیکھتا ہے پھر اس کے بارے میں حکم دیتا ہے''

۳۔امام صادقؑ فرماتے ہیں:

(لَایَکُونُ شَیْ ءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَافِی السَّماءِ اِلَّا بِھٰذِہِ الْخِصَالِ السَّبْعِ بِمَشِیَّةٍ ، وَاِرادَةٍ، وَقَدَرٍ،وَقَضاءٍ، وَاِذْنٍ،وَکِتابٍ وَاَجَلٍ فَمَنْ زَعَمَ اَنَّہُ یَقْدِرُ عَلٰی نَقْضِ وَاحِدَةٍ فَقَدْ کَفَرَ.)(۲)

''یعنی کوئی چیز زمین وآسمان میں موجود نہیں ہے مگر ان سات خصوصیات کے ساتھ ہے(۱)مشیت الٰہی (۲) ارادہ الٰہی (۳)قدرت الٰہی (۴)قضاء الٰہی (۵)اذن الٰہی (۶) کتاب الٰہی (۷)اجل الٰہی اور جو بھی یہ گمان کرے کہ وہ ان میں سے کسی کو جھٹلا سکتا ہے تو وہ کافر ہے''

(۱)بحار الانوار ج ۵ ص ۱۲۱ محاسن برقی ص ۲۴۳

(۲)اصول کافی ج ۱ ص ۲۰۶ ،بحار الانوار ج ۵ ص ۸۸، محاسن برقی ص ۲۴۴

آیات قرآنی بھی قضاوقدر کے بارے میں کافی ہیں:

۱. ﴿اِنَّا کُلَّ شَیْءٍ خَلَقْنٰهُ بِقَدَرٍ﴾(۱)

''یعنی بیشک ہم نے ہر چیز ایک مقرّرہ انداز سے پیدا کی ہے''

۲. ﴿وَمَا کَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ کِتٰبًا مُّؤَجَّلًا﴾(۲)

''یعنی بغیر حکم خدا کے تو کوئی شخص مر ہی نہیں سکتا وقت معین تک (ہر ایک کی موت لکھی ہوئی ہے)

۳. ﴿وَکَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا﴾(۳)

''اور خدا کا حکم تو (ٹھیک) انداز سے مقرر کیا ہوا ہوتا ہے''

۴. ﴿وَکُلُّ شَیْءٍ فَعَلُوْهُ فِی الزُّبُرِ ☆ وَکُلُّ صَغِیْرٍ وَّکَبِیْرٍ مُّسْتَطَرٌ.﴾(۴)

اور یہ لوگ جو کچھ کر چکے ہیں ان کے نامۂ اعمال میں درج ہے یعنی ہر چھوٹا یا بڑا کام لکھ دیا گیا ہے''

قدر کا قضاء پر مقدم ہونا:

جو بھی تفاسیر ائمہؑ سے نقل ہوئی ہیں ان میں قدر قضاء پر مقدم ہے جیسا کہ گذشتہ روایات میں اشارہ گزرا. کیونکہ قضاء وحتمی ہونا تقدیر الٰہی کے تحت قرار پاتی ہے اسی لئے اسے قضاء وقدر سے تعبیر کرتے ہیں ورنہ یہاں کوئی اور وجہ نہیں ہے۔

(۱) سورہ قمر آیت ۴۹ (۲) سورہ آل عمران آیت ۱۴۵
(۳) سورہ احزاب آیت ۳۸ (۴) سورہ قمر آیت ۵۲، ۵۳

فضائل قرآن پر ایک حدیث:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

"من قرء القران ولم یعمل به حشره الله یوم القیامة اعمی" (۱)

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

جو قرآن تو پڑھتا ہے مگر اس پر عمل نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ اسے بروز قیامت اندھا محشور کرے گا۔

(۱) کتاب ثواب الاعمال وعقاب الاعمال ص ۳۳۷

بسم اللہ الرحمن الرحیم

چھٹا درس:

سعادت وشقاوت

بحث توحید کے ذیلی مسائل میں سے ایک مسئلہ سعادت وشقاوت ہے یہ علم کلام کے پیچیدہ مسائل میں سے ہے یعنی کیا وہ سعادت مند ہے جس کے لئے ازل سے سعادت لکھ دی گئی ہو؟ اور شقی وہ ہے جس کے پیدا ہونے سے پہلے شقاوت اس کے لئے لکھ دی گئی ہو؟

سعادت اور شقاوت کا مفہوم:

سعادت اور شقاوت کے دو معنی ہیں:

سعادت شرعی اصطلاح میں ایسا امر ہے جو انسان کے جنت میں داخل ہونے اور ہمیشہ کے آرام کا سبب بنے اور شقاوت ایسا امر ہے جو انسان کے دوزخ میں داخل ہونے اور ہمیشہ کی بدبختی کا موجب بنے. اور پیدائشی سعادت اور شقاوت سے مراد، ان اعمال کا معین کرنا ہے جو انسان کی سعادت اور شقاوت کا سبب بنتی ہیں

مثلاً جب خداوند عالم نے واجبات اور محرمات کو قرار دیا، انسان کو پیدا کیا اور اپنے علم سے جان لیا کہ کون سی مخلوق سعادت والے اعمال کو منتخب کرے گی اور نتیجتاً سعادت پر فائز ہوگی اور کون سی مخلوق شقاوت والے اعمال کو منتخب کرے گی جس کے نتیجے میں اس کو شقاوت و بدبختی نصیب ہوگی لہذا خداوند عالم نے ایک گروہ کو سعید اور دوسرے کو شقی پیدا کیا۔

ا۔ظاہری سعادت اور شقاوت: ظاہری سعادت وہی انسان کی زندگی کی خوشحالی اور آسائش کا نام ہے اور شقاوت سے بھی یہی پریشانیاں اور تنگدستیاں ہیں جو انسان کی ظاہری زندگی میں پیش آتی ہیں خداوند عالم قرآن مجید میں اپنے پیغمبرؐ کو مخاطب کر کے ارشاد فرما رہا ہے:

﴿ما انزلنا علیک القرآن لتشقی.﴾(۱)

''یعنی اے پیغمبرؐ ہم نے قرآن کو اس لئے آپؐ پر نازل نہیں کیا ہے کہ آپؐ اپنے آپ کو مشقتوں میں ڈال دیں''

کیونکہ پیغمبرؐ ساری ساری رات عبادت میں گزار دیا کرتے تھے ﴿حتی تورمت قدماہ.﴾ ''یہاں تک آپ کے قدموں میں ورم آجاتا تھا''

اسی طرح خداوند عالم نے حضرت آدم وحوا کو نصیحت کی کہ کہیں شیطان تم لوگوں کو دھوکہ دے کر جنت سے نہ نکلوا دے کہ تم لوگ شقی قرار پاؤ''۔

---

(۱) سورہ طٰہٰ آیت ۲

﴿فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى﴾(۱)

''یعنی کہیں شیطان تمہیں جنت سے نہ نکلوا دے کہ تم لوگ مشقت والی دشوار زندگی میں گرفتار ہو جاؤ''

پیغمبرؐ نے آیت کے ذیل میں ارشاد فرمایا:

(مِنْ سَعَادَةِ الْمرءِ سِعَةُ دارِهِ ،وَمِنْ شِقَائِهِ ضِيقُ دارِهِ.)(۲)

''یعنی انسان کی سعادت گھر کے وسیع ہونے میں اور انسان کی شقاوت گھر کے چھوٹے اور تنگ ہونے میں ہے''

۲۔ باطنی سعادت اور شقاوت: باطنی سعادت سے مراد انسان کے باطن کا پاک و صاف ہونا ہے اور سعادت مند انسان وہ ہے جو اپنے معنوی امور میں کامیابیاں حاصل کرے۔

باطنی شقاوت سے مراد انسان کے قلب کا سیاہ و خبیث ہونا ہے جس نے انسان کے پورے وجود پر قبضہ کر لیا ہو خداوند عالم قوم ثمود کے بارے میں فرماتا ہے:

﴿كَذَّبَتْ ثَمُودُ بِطَغْوٰهَا اِذِانْبَعَثَ اَشْقٰيهَا﴾(۳)

''یعنی قوم ثمود نے اپنی سرکشی اور طغیان کے سبب اپنے پیغمبر کو جھٹلایا جب ان میں سے شقی ترین انسان اٹھا''

---

(۱) سورہ طٰہٰ آیت ۱۱۷

(۲) مکارم الاخلاق (طبرسی) وسائل ج ۵ ص ۲۹۹

(۳) سورہ والشمس آیت ۱۱،۱۲

اس مذکورہ آیت میں شقاوت خباثت باطنی کو بیان کر رہی ہے جو قوم ثمود میں رسوخ کر چکی تھی (۱)

(السعید سعیدٌ في بَطنِ اُمّه.....) اس حدیث کے بارے میں تحقیق:

جیسا کہ تحقیقات سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ یہ حدیث پیغمبر اکرمؐ سے متواتر طریقے سے نقل ہوئی ہے اور ائمہؑ سے ہم تک معتبر ذرائع سے پہنچی ہے۔

لہٰذا جو لوگ اس حدیث کی صحیح تفسیر نہیں کرتے ہیں انھوں نے اس حدیث کو ساختہ حدیث قرار دے کر اس کی اہمیت کو گھٹانے کی کوشش کی ہے لہٰذا اب ہم یہاں پر یہ مکمل حدیث جو پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) سے نقل ہوئی ہے ذکر کرتے ہیں۔

(السعید مَنْ سُعِدَ في بَطنِ اُمِّهِ وَالشَّقیُّ مَنْ شُقِیَ في بَطنِ اُمِّهِ.)(۲)

''یعنی اگر کسی کے لئے یہ طے پائے کہ وہ اس زندگی میں آسایش سے رہے تو اس کے لئے وہی زندگی فراہم ہوگی جو رحم مادر میں اس کے لئے تھی یعنی اس کی ماں نے بڑے آرام و آسایش کے ساتھ اس کو جنم میں رکھا اور وضع حمل کیا لیکن اگر

.....

(۱) ﴿وَلَمْ یَجْعَلْنِی جَبَّاراً شَقِیاً﴾ سورہ مریم آیت ۳۲ اس معنی پر دلالت کر رہی ہے

(۲) میزان الحکمہ ج ۵ ص ۱۲۹

کسی کے مقدر میں یہ ہے کہ وہ اس زندگی میں سختی اور تکلیف سے رہے تو اسی وقت سے جب سے اس کا نطفہ ٹھہرا ہے اس کی ماں کو پریشانی سے حمل کے سنبھالنے اور وضع حمل کی سختی سے گزرنا پڑتا ہے۔

اس سے یہ بات روشن ہوگئی کہ اس حدیث میں سعادت اور شقاوت سے مراد باطنی سعادت وشقاوت نہیں ہیں اور انسان کا مطیع ہونا یا گنہگار ہونا اس حدیث سے کوئی تعلق نہیں رکھتا. اگر اس حدیث کے تحت سعادت وشقاوت کو باطنی فرض کریں تو یہ کہنا پڑے گا کہ سعید وہ ہے جو جب شکم مادر میں تھا تو خدا جانتا تھا کہ یہ آئندہ وقت میں اچھے اعمال کرے گا اور شقی وہ ہے جو جب رحم مادر میں تھا تو خدا جانتا تھا کہ یہ آئندہ بُرے اعمال کرے گا۔

یہ وہی معنی ہیں جو ابن ابی عمیر نے امام کاظمؑ سے اس حدیث کی تفسیر میں ذکر کیے ہیں:

کیونکہ ابن ابی عمیر نے امام کاظمؑ سے پیغمبرؐ کی اس حدیث کے معنی دریافت کیے۔

(السعید مَنْ سُعِدَ فِي بَطْنِ اُمِّهِ وَالشَّقِيُّ مَنْ شُقِيَ فِي بَطْنِ اُمِّهِ.) تو آپؑ نے جواب میں فرمایا:

(الشَّقِيُّ مَنْ عَلِمَ اللّٰهُ، وَهُوَ فِي بَطْنِ اُمِّهِ، اَنَّهُ سَيَعْمَلُ اَعْمَالَ الْاَشْقِيَاءِ وَالسَّعِيدُ مَنْ عَلِمَ، وَهُوَ فِي بَطْنِ اُمِّهِ، اَنَّهُ سَيَعْمَلُ اَعْمَالَ السُّعَدَاءِ)(۱)

(۱) توحید (صدوق) ص ۳۵۶، باب ۳، بحار الانوار جلد ۵ ص ۱۵۷

''یعنی شقی وہ ہے کہ جب وہ رحم مادر میں تھا تو خدا جانتا تھا کہ یہ آئندہ شقاوت والے کام انجام دے گا اور سعید وہ ہے جب وہ رحم مادر میں تھا تو خدا جانتا تھا کہ یہ آئندہ اچھے اور نیک اعمال کرے گا۔

اس کے بعد ابن ابی عمیر نے امام کاظمؑ سے پیغمبرؐ کی اس حدیث (اِعملوا فَکُلٌّ مُیَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ) کے بارے میں سوال کیا تو امامؑ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا:

(اِنَّ اللّٰهَ عَزَّوجَلَّ خَلَقَ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ لِیَعْبُدُوهُ وَلَمْ یَخْلُقْهم لِیَعْصُوهُ، وَذٰلِکَ قولُه عزَّ وجلَّ: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُونَ﴾(۱)

''یعنی خداوند عالم نے انسان کو خلق کیا تا کہ وہ اس کی اطاعت کرے کسی کو خدا نے اس لئے خلق نہیں کیا ہے کہ وہ اس کی نافرمانی کرے یہی اس آیت کے معنی ہیں کہ ''میں نے جن وانس کو خلق نہیں کیا مگر عبادت کے لئے''

لہٰذا عبادت کی راہ آسان ہے اور معصیت وگناہ کی راہ دشوار اور برخلاف فطرت انسانی ہے. خداوند عالم قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿لَهَا مَا کَسَبَتْ وَعَلَیْهَا مَا اکْتَسَبَتْ﴾(۲)

''یعنی انسان جو بھی نیک کام انجام دیتا ہے اس کا اپنا فائدہ ہے اور جو بُرا کام کرتا ہے اس کا اپنا نقصان ہے۔

(۱) توحید (صدوق) ص ۳۵۶/۳

(۲) سورہ بقرہ آیت ۲۸۶

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ساتواں درس:

کیا اللہ نے انسانوں کو پہلے سے ہی سعید اور شقی خلق کیا ہے؟

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ کچھ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو پہلے سے ہی اچھی اور بُری خصلتوں میں پیدا کیا ہے. جو بات آیات وروایات (۱) سے ثابت ہوتی ہے وہ اس نظریہ کے برخلاف ہے، کیونکہ خداوند عالم نے تمام انسانوں کو اچھا اور سعادت مند خلق کیا ہے اگر انسان شقاوت اور بُرائی کی طرف مائل ہوجائے تو یہ اسکے اپنے اختیار سے ہے۔

﴿قَالُوا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَالِّينَ﴾ (۲)

"یعنی ان لوگوں نے کہا اے ہمارے پروردگار ہماری شقاوت ہم پر غالب آگئی اور ہم گمراہ قوم میں سے ہوگئے۔

---

(۱) سعادت وشقاوت کے بارے میں آیات کی فہرست مندرجہ ذیل ہے (ہود آیت ۱۰۵، مؤمنون آیت ۱۰۶، طٰہٰ آیت ۱۲۳، مریم آیت ۴۔۳۲۔۴۸، شمس آیت ۱۲، لیل آیت ۱۵، اعلیٰ آیت ۱۱۔۱۲، قصص آیت ۷۹، فصلت آیت ۳۵، آل عمران آیت ۱۷۶، مائدہ آیت ۱۳۔۱۴

(۲) سورہ مومنون آیت ۱۰۶

امام صادق نے اس مذکورہ آیت کی تفسیر میں یوں فرمایا

﴿بِاَعْمَالِهِمْ شَقُوا﴾ (۱)

"یعنی وہ لوگ اپنے اعمال کے ذریعے سے شقی ہوگئے ہیں یعنی جس شقاوت کو یہ لوگ سمجھ رہے ہیں وہی ان کی صفتِ نفسانی وذاتی ہے جو وہ خود انجام دیتے ہیں۔

دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے انسان کو امانت الٰہی کا امین قرار دیا ہے لہٰذا اپنی امانت کو اس کے سپرد کیا ہے اور یہ بات اس کی اچھی فطرت کی طرف اشارہ کر رہی ہے جو کہ انسان اللہ تعالیٰ کے پاس مقام ومنزلت رکھتا ہے۔

﴿اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا.﴾ (۲)

"یعنی ہم نے اپنی امانت (عہد تکلیف، عقل، فکر، ولایت الٰہیہ) کو آسمانوں اور زمینوں اور پہاڑوں پر پیش کیا مگر انھوں نے اس کے قبول کرنے سے عذر خواہی کی اور اس سے ڈرے لیکن انسان نے اسے قبول کر لیا اور یہ بڑا ظالم اور جاہل ہے"

---

(۱) توحید (صدوق) ص ۳۵۶، ح ۲، بحار الانوار ج ۵ ص ۱۵۷ ح ۱۰

(۲) سورہ احزاب ۳۳ آیت ۷۲

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ امانات پیش کرنے کی کیفیت کیسی تھی؟ اگر چہ اس کے جواب کے لئے تفصیلی بحث درکار ہے مگر ہم یہاں پر اس کا خلاصۂ مطلب پیش کرتے ہیں اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علم ازلی کے تحت کائنات میں جس جس چیز کی صلاحیت تھی اس کو عطا کر دیا مگر کسی کو بھی امانت الٰہی اٹھانے کے لائق نہیں پایا سوائے انسان کے اور یہ بات انسان کے بہترین اور اشرف المخلوقات ہونے پر بہترین دلیل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس لئے خلق کیا ہے کہ اس میں اس طرح کی شرافت اور کرامت تجلی کر سکے۔

﴿اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّکَ وَلِذٰلِکَ خَلَقَهُمْ﴾(۱)

''یعنی مگر جس پر خود پروردگار عالم رحم کرے اور اسی رحمت کے قبول کرنے کے لئے ان کو پیدا کیا ہے''

اور اگر سعادت وشقاوت کو زندگی کی اچھی حالت یا بُری حالت کے تحت فرض کیا جائے تو ممکن ہے کہ خداوند عالم بعض مصلحتوں کے سبب بعض کو بعض پر برتری عطا کرے تا کہ آسایش کی زندگی بسر کریں اور بعض کو سختی میں رکھے تا کہ ان کو عبرت ہو ایسی صورت میں بھی یہ عین عدالت ہوگی کیونکہ ظلم کا ذات باریٔ تعالیٰ کے یہاں گذر نہیں ہے۔

جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: ﴿اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَةَ رَبِّکَ؟ نَحْنُ

(۱) سورہ ہود آیت ۱۱۹

قَسَمْنَا بَيْنَهُم مَّعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُم بَعْضًا سُخْرِيًّا وَرَحْمَةُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ ﴿ (۱)

''یعنی کیا یہ لوگ رحمت خدا کو تقسیم کرتے ہیں؟ ہم نے لوگوں کی دنیاوی روزی کو ان کے درمیان تقسیم کردیا ہے اور بعض کو بعض پر برتری دی ہے تا کہ ایک دوسرے کی خدمت کریں اور مدد کریں کیونکہ رحمت خدا ان کی ان تمام چیزوں سے جو وہ جمع کرتے ہیں بہتر ہے''

گویا یہ آیت اس بات کا اعلان کر رہی ہے کہ بعض کو بعض دیگر پر برتری دینا بغیر کسی سبب کے نہیں ہے بلکہ یہ مختلف صلاحیتوں کے لحاظ سے ہے جو انسانی زندگی میں پائی جاتی ہیں یعنی ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے مگر انسانی صلاحیتیں مختلف ہیں اپنی اپنی کوشش اور ہمت کے لحاظ سے انسان اس دنیا میں مختلف ہیں جس کے نتیجے میں ان کو ان کا رزق بھی مختلف ملتا ہے پس معلوم ہوا کہ مذکورہ آیت اس شقاوت کی حکایت کر رہی ہے جو انسان کی اس مادی دنیا میں پائی جاتی ہے نہ یہ کہ خداوند عالم یہ کہہ رہا ہے کہ ہم نے ان اختلافات کو انسانوں پر زبردستی لاگو کیا ہے دوسری طرف انسانوں کی ان مختلف صلاحیتوں کی خلقت کا سبب یہ قرار دیا گیا کہ اس سے مختلف قسم کے فائدے ہی ہیں جو انسان اپنی اجتماعی زندگی میں اٹھاتے ہیں۔

(۱) سورہ زخرف ۴۳ آیت ۳۲

اور یہ بات کے خدا نے اپنی طرف نسبت دی ﴿نحن قسمنا بینھم ..... و رفعنا بعضھم﴾ یہ اس لئے ہے کہ یہ سب باتیں اس مادی دنیا میں انجام پاتی ہیں اذن خدا کے ذریعے اور اس کی نسبت خدا ہی کی طرف دی جاتی ہے (کیونکہ بغیر اذن پروردگار کے کوئی چیز حرکت نہیں کرسکتی چاہے اختیار انسان کا اپنا ہی کیوں نہ ہو)

اس مذکورہ بات پر دلیل یہ آیت ہے ﴿لیتخذ بعضکم بعضاً سخریاً﴾ "یعنی کیونکہ انسان اجتماعی زندگی گزارنے کا عادی ہے لہٰذا اس کے لئے معاشرے میں رہنا ضروری ہے اجتماع سے کٹ کر اس کے لئے زندگی گزارنا بہت مشکل ہے لہٰذا ایسی زندگی میں ایک دوسرے کے تعاون کی انتہائی ضرورت ہے۔

لہٰذا گذشتہ آیت کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ہم نے بعض کو فقیر اور بعض کو غنی اس لئے قرار نہیں دیا ہے کہ غنی لوگ فقراء کو اپنے تابعدار بنا کر نابود کردیں۔

البتہ بعض توفیقات الٰہی سے بھی غافل نہیں رہنا چاہئے مثلاً جب کبھی انسان میں تقویٰ پیدا ہوتا ہے تو اس کی زندگی اور تحصیلات میں کامیابی کا سبب بنتا ہے جیسا کہ خداوند عالم نے بہت سی آیات میں اس بات کی طرف یوں اشارہ کیا ہے:

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجاً. وَ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ إِنَّ اللَّهَ بَالِغُ أَمْرِهِ قَدْ جَعَلَ اللَّهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْراً.﴾ (١)

(١) سورہ طلاق آیت ٢۔٣

’’یعنی جو خدا سے ڈرے گا تو خدا اس کے لئے نجات کی صورت نکال دے گا اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے وہم بھی نہ ہو اور جس نے خدا پر بھروسہ کیا تو وہ اس کے لئے کافی ہے بیشک خدا اپنے کام کو پورا کر کے رہتا ہے اور خدا نے ہر چیز کو ایک اندازے کے تحت مقرر کر رکھا ہے‘‘

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آٹھواں درس:

آفات وبلیّات

توحید افعالی کی ذیلی بحثوں میں سے ایک بحث آفات وبلیات بھی ہے اور وہ یہ کہ ان آفات وبلیات کا بھی کوئی خدا ہے یا یہ کہ خدا فقط خیر محض ہے اور جو کچھ بھی اس نے خلق کیا ہے وہ سب اس کی عطا ہے؟ اسی بحث کے ضمن میں ''ثنویہ'' مذہب کے اس شبہ کا بھی جواب دیا جائے گا جس کی وجہ سے وہ لوگ دوگانہ پرستی کے شکار ہوگئے تھے۔

ثنویہ کا عقیدہ آفات وبلیات کے بارے میں:

ثنویہ وہی زرتشتی ہیں جن کو مجوسی بھی کہا جاتا ہے یہ لوگ اس خیال سے کہ خدا کو بُرائی سے بری کریں اس کے قائل ہوگئے ہیں کہ نیکیوں کا خالق ''یزدان'' ہے اور بُرائیوں کا خالق ''اہریمن'' ہے حقیقت میں ثنویہ خدا کے بارے میں شرک کے قائل ہوئے ہیں اور کائنات کے لئے انھوں نے دو خالق کے عقیدے کو اختیار کیا ہے ایک کو خالق خیر دوسرے کو خالق شر نام دیتے ہیں یعنی وہ لوگ خداوند عالم کو خالق خیر

اور شیطان کو "اہریمن" کا نام دیکر خالق شر کہتے ہیں۔

ثنویہ کے شبہ کا منشاء: یہ ہے کہ "شر" کو امر وجودی جانتے ہیں اور وجود کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں اچھا اور بُرا لہٰذا مجبور ہوئے ہیں کہ اچھائی اور بُرائی میں سے ہر ایک کو جدا جدا خالق کی طرف نسبت دیں۔

کیا آفات و بلیات کا خالق اللہ ہے؟:

اسلام کی نگاہ میں ہر چیز کا خالق اللہ ہے اور جو کچھ اس کائنات میں وجود رکھتا ہے ان سب کا خالق صرف اللہ تبارک وتعالیٰ ہے۔

لہٰذا فلاسفہ نے "شر" کو معدوم شئی قرار دیا ہے اور عدم کا سبب بھی عدم ہی ہے جس طرح وجود کا سبب وجود ہوتا ہے. خدا خیر محض ہے اور خیر ہی کو پیدا کرتا ہے اس کے نظام میں کسی قسم کی بُرائی کا وجود نہیں ہے. شر خیر کا نہ ہونا ہے اور کوئی وجودی چیز نہیں ہے کہ علیحدہ سے خالق کی محتاج ہو، خداوند عالم قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَقُولُوا هٰذِهِ مِن عِندِ اللّٰهِ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَقُولُوا هٰذِهِ مِنْ عِندِكَ قُلْ كُلٌّ مِنْ عِندِ اللّٰهِ فَمَالِ هٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا. مَا اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَا اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِكَ﴾(۱)

---

(۱) سورہ نساء آیت ۷۸، ۷۹

"یعنی ان کو جب کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو کہنے لگتے ہیں کہ یہ خدا کی طرف سے ہے اور اگر ان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو (شرارت سے) کہنے لگتے ہیں کہ (اے رسولؐ) یہ تمہاری بدولت ہے (اے رسولؐ) تم کہدو کہ سب خدا کی طرف سے ہے پس ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ کوئی بات سمجھتے نہیں ہیں حالانکہ (سچ تو یہ ہے کہ) جب تم کو کوئی فائدہ پہنچے تو سمجھو خدا کی طرف سے ہے اور جب کوئی تکلیف پہنچے تو سمجھو خود تمہاری بدولت ہے"

اگر چہ ابتدائی نظر میں یہ دونوں آیات آپس میں تضاد رکھتی ہیں کیونکہ پہلی آیت میں ہے:

۱. ﴿قُلْ كُلٌّ من عندا للّٰه﴾

"یعنی کہہ دو (اچھائی و بُرائی) سب کچھ خدا کی طرف سے ہے"

اور دوسری آیت میں ہے:

۲. ﴿وَمَا اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ﴾

"جو کچھ بھی بُرائی تم کو پہنچتی ہے وہ خود تمہاری طرف سے ہے"

لیکن دقت کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ اولاً ﴿حسنة و سيئة﴾ سے آیت میں مراد اچھے اور بُرے اعمال نہیں ہیں بلکہ مراد دنیاوی زندگی کی سختی اور آسایش ہے۔

ثانیاً پہلے والی آیت نیکیوں اور بُرائیوں کو وجود میں لانے والے کو بیان کر رہی ہے کہ کس نے ان اچھائیوں اور بُرائیوں کو وجود بخشا ہے لہذا جواب میں کہا گیا

﴿قل کل من عندا للہ﴾ سب خداوند عالم کی طرف سے ہے اور دوسری آیت اس بات کے بیان میں ہے کہ اچھائیاں اور بُرائیاں کہاں سے اور کیسے وجود میں آتی ہیں لہذا ارشاد ہوا کہ جو کچھ اچھائیاں اور نیکیاں انسان کو حاصل ہوتی ہیں وہ سب اللہ کا فضل وکرم ہے اور جو کچھ بُرائیاں اس کائنات کی طبیعت میں انسان کو پہنچتی ہیں اس کا اصل منشاء خود انسان ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی کے لئے بُرائی نہیں چاہتا ہے یہ انسان ہی ہے کہ جو اپنے لئے بُرائیوں کو وجود میں لاتا ہے جیسا کہ گذشتہ آیت کی یہ آیت تفسیر کر رہی ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لایُغَیِّرُما بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا ما بِاَنْفُسِهِمْ﴾(۱)

''یعنی خدا کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی حالت بدلنے کی کوشش نہ کرے''

دوسری آیت میں یوں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰیٓ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنا عَلَیْهِمْ بَرَکٰتٍ مِنَ السَّمآءِ وَالْاَرْضِ وَلٰکِنْ کَذَّبُوْا فَاَخَذْ نٰاهُمْ بِما کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ﴾(۲)

''یعنی اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لے آتے اور پرہیزگار بن جاتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکتوں (کے دروازے) کھول دیتے مگر (افسوس) ان لوگوں نے ہمارے۔

....

(۱) سورہ رعد۱۳ آیت ۱۱

(۲) سورہ اعراف آیت ۹۶

پیغمبروں کو جھٹلایا تو ہم نے بھی ان کے کرتوت کی بدولت ان کو (عذاب میں) گرفتار کیا"

جیسا کہ حضرت علیؑ کا بھی ارشاد گرامی ہے:

(مارَاَیتُم نِعمَۃً مَوفِرۃً اِلاَّ وَالی جانِبِہٖ حَقٌّ مُضَیَّعٌ)

"یعنی ہر قسم کی ثروت کا حاصل ہونا ایک فرد کے لیے ممکن نہیں ہے مگر یہ کہ اس نے کسی کے حق کو ضایع کیا ہو"

لہٰذا اسلام کی نگاہ میں:

۱۔ خداوند عالم صرف خیر ہی ہے صرف نیکیوں ہی کا خالق ہے اس کے اس نظام وجود میں کسی قسم کی بُرائی موجود نہیں ہے۔

۲۔ شر اور بُرائی ایک امر عدمی ہے جو کہ خالق کا محتاج نہیں۔

۳۔ تمام آفات و بلیات کا اصل سرچشمہ خود انسان ہے۔

۴۔ کائنات دو نیکی و بدی میں تقسیم نہیں ہوتی ہے تاکہ دو خداؤں کے قائل ہونے کی طرف مجبور ہوں۔

کیا شر نسبی ہے یا حقیقی؟ حقیقی صفات وہ صفات ہیں جو ہر چیز سے قطع نظر ذات اور موصوف سے متصف ہونے کی صلاحیت رکھتی ہیں جیسے سیاہی و سفیدی نسبی صفات ان صفات کو کہتے ہیں جو بغیر کسی تیسری چیز کے فرض کیے ہوئے اپنے موصوف کے ساتھ قابل تصور نہیں ہوتی ہیں مثلاً چھوٹا ہونا، بڑا ہونا، اچھائی، بُرائی۔

لہٰذا مذکورہ تعریف کے تحت شر امور نسبی میں سے ہے یعنی بعض افراد کے حالات کی طرف نسبت دیتے ہوئے حاصل ہوتی ہے مثلاً زہر کی نسبت سانپ کی طرف دینا اور بُرائی کی نسبت انسان کی طرف دینا یا یہ کہ بھیڑ گھاس کے لئے شر ہے اور انسانوں کے لئے اچھی چیز ہے کیونکہ انسان اسے ذبح کر کے اس کا گوشت کھاتے ہیں۔

علامہ محمد حسین طباطبائیؒ اپنی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

وہ بُرائیاں جو اس کائنات میں اپنے ساتھ بلائیں اور ناگوار واقعات لے کر آتی ہیں وہ سب امر عدمی و نسبی ہیں لہٰذا وہ وجود نہیں رکھتی ہیں یعنی عدم ملکہ ہیں نہ کہ عدم محض لہٰذا برائی کو اچھائی کے نہ ہونے سے تفسیر کیا جا سکتا ہے جب بھی کمال وجودی کو کوئی اچھائی حاصل نہ ہو تو گویا اس کے ساتھ عدم بھی موجود تھا جو کہ سبب بنا کہ وہ نیکی اپنے کمال کو نہ پہنچے. اور جس کا برائی نام ہے کمال وجودی کے مرتبے کے فقدان کا جو اس چیز میں تھا کہ اگر وجود اپنی اصلی حالت پر باقی رہتا تو وہ کمال اس میں ظاہر ہوتا جیسا کہ اشیاء کا خراب ہونا، عیوب کا عارض ہونا مختلف امراض وغیرہ کا پایا جانا اس بات کی دلیل ہے کہ خود اس وجود کی استعداد اور صلاحیت میں کمی تھی اور اس قسم کی چیزوں کی نسبت خدا کی طرف دینا بالکل صحیح نہیں ہے کیونکہ عدم کا سبب عدم ہی ہے جس طرح وجود کا سبب وجود ہے۔(۱)

---

(۱) تفسیر المیزان ج ۱۳ ص ۲۰۰

امام خمینیؒ اس بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

(فالخیرات کلها مجعولات والمبداء فیها هو الله تعالی ولشرور التی فی دار الطبیعة المظلمة ،هی من تصادمات المادیات وضیق العالم الطبیعة وکلها ترجع الی عدم وجود اوعدم کماله،والاعلام کلها مطلقا غیر متعلقة للجعل،بل المضافة فیهامن لوازم المجعول و تضایق دار البوار وتصادم المسجونین فی سجن الطبیعة وسلاسل الزمان،فکلهاترجع الی الممکن ، فمااصابک من حسنة وخیروسعادة وکمال فمن الله،وما اصابک من سیئةٍ وشرّ ونقص وشقاء فمن نفسک.لکن لماکانت النقائص ولشرور اللازمة للوجودات الامکانیة من قبیل الاعلام المضافة و الحدود والماهیات،کان لها وجود بالعرض ، وماکان کذالک فمن عندا لله لکن بالعرض،فالخیرات من الله بالذات،ومنسوب الی الممکنات بالعرض،والشرورمن الممکنات بالذات ومنسوب الیه تعالی بالعرض،فحینئذ یصح أن یقال: کل من عندالله،فانه لولا الایجادوالاضافه وبسط الخیرات لم یکن وجود ولاحدّ ولا طبیعة ولا ضیقها ولعل تغییر الاسلوب وتخلّل لفظة ((عند))فی قوله تعالی:﴿قل کل من عندالله﴾للاشارة الی المجعولیة بالعرض.)(۱)

(۱) رسالہ طلب وارادہ ص ۷۸

''یعنی تمام نیکیاں خلق کی گئی ہیں اور ان کا پیدا کرنے والا اللہ تبارک تعالیٰ ہے لیکن یہ جو کائنات میں بُرائیاں وغیرہ پائی جاتی ہیں یہ خود اسی مادی دنیا کی کمی کی وجہ سے ہیں اور ان سب کی بازگشت عدم وجود یا عدم کمال کی طرف ہے اور عدم مطلقاً کسی قرار دینے والے کے قرار دینے کا محتاج نہیں بلکہ تمام عدم، عدم وجود کے سبب ہیں لہٰذا تمام شرور اور آفات و بلیات کی برگشت ذات ممکنات کی طرف ہے اور کائنات میں جو بھی اچھائی یا نیکی یا سعادت یا کمال پائے جاتے ہیں خدا کی طرف سے ہیں اور جو بھی بُرائی یا شر یا نقص یا شقاوتیں پائی جاتی ہیں یہ سب خود انسان ہی کی طرف سے ہیں لہٰذا ان کی نسبت خدا کی طرف عرضی ہے (۳) لہٰذا اس لحاظ سے صحیح ہے کہ یوں کہا جائے ﴿ کلّ من عنداللہ ﴾ تمام چیزیں خدا کی طرف سے ہیں کیونکہ اگر خدا کی طرف سے یہ وجود نہ ہوتا تو کسی قسم کی حد نہ ہوتی اور نقائص کے پائے جانے کا تصور بھی نہ ہوتا.....''

امام خمینیؒ کے اس بیان میں تمام نیکیوں کی نسبت خدا کی طرف ذاتی اور ممکنات کی طرف عرضی ہے بُرائی اور شر کے برعکس کیونکہ ان کی نسبت خدا کی طرف عرضی اور ممکنات کی طرف ذاتی ہے۔

پس شر بھی گویا مخلوق خدا ہے لیکن عرضی لحاظ سے جو کہ مادیات کے وجود پر عارض ہونے کی صورت میں اور کائنات کے طبیعی نظام میں خلل واقع کرنے کے نتیجہ میں وجود میں آتے ہیں لہٰذا سورہ فلق میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿من شرّ ما خلق ﴾

''یعنی پناہ چاہتے ہیں جو کچھ پیدا کیا گیا ہے اس کے شر سے'' اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ شر خلقت کے لوازمات میں سے ہے۔

اسی توحید افعالی کی بحث کے فروعات میں سے مسئلہ توفیق، ہدایت، گمراہی، رسوائی وغیرہ ہیں جن کی بحث مفصل طور پر مولف کی کتاب تنزیہ الانبیاء کے ص ۲۶ پر کی گئی ہے۔

فضائل قرآن پر ایک حدیث:

قال امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام

"ماجالس هذا القران احد الا قام عنه بزيادة او نقصان زيادة في هدى او نقصان من عمى" (۱)

. امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام نے فرمایا:

قرآن کا کوئی ہمنشین نہیں ہوسکتا مگر یہ کہ اسے قرآن سے زیادتی مل گئی یا کمی، ہدایت میں زیادتی یا پھر اندھے پنے میں کمی۔

(۱) نہج البلاغہ خ ۱۷۶

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نواں درس:

گفتگو مراتب توحید کے بارے میں تھی کہ توحید ذاتی، توحید صفاتی، توحید افعالی کے بارے میں تحقیق ہو چکی اب یہاں پر ہم توحید کے چوتھے مرتبے یعنی توحید عبادی کے بارے میں گفتگو کریں گے۔

۴۔ عبادت میں توحید:

عبادت میں ہر قسم کے شرک کی نفی اور خدائے وحدہ لاشریک کی عبادت کرنے کو عبادت میں توحید کے عنوان سے تعبیر کرتے ہیں اس کا مطلب اسی خدائے وحدہٗ لاشریک کو ماننا ہے، توحید کے گذشتہ تین مراتب نظری تھے۔(۱)

تاہم توحید عبادی عملی ہے جو کہ تمام انبیاء واوصیاءؑ کا اصلی ہدف رہا ہے، توحید عبادی گذشتہ تینوں مراتب توحید کے لوازم میں سے ہے کیونکہ جب واجب الوجود اسی ذاتِ باریٔ تعالی میں منحصر ہے اور وہی تمام موجودات اور کائنات میں انجام پانے والی تدابیر کا مظہر ہے تو ان تمام باتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ صرف وہی عبادت کے

---

(۱) یعنی جن میں دلیل و برہان وغیرہ کی ضرورت پڑتی ہے

لائق ہے اور دوسرا کوئی بھی شخص عبادت کے لائق نہیں۔

توحید عبادی وہی توحید ہے جس کا اعلان حضرت ابراہیمؑ نے کیا:

﴿اِنِّی وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ﴾(۱)

''یعنی میں نے تو (باطل سے کترا کر) اس کی طرف اپنا منہ کرلیا ہے جس نے یہ تمام زمین و آسمان پیدا کئے اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں''

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔ ﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ لَاشَرِیْکَ لَهٗ وَ بِذٰلِکَ اُمِرْتُ﴾(۲)

''یعنی کہدو کہ میری عبادتیں میری زندگی میری موت یہ سب خدا کے لئے ہے جس کا کوئی شریک نہیں اور میں اسی کام کے لئے مبعوث کیا گیا ہوں۔

قرآن میں توحید عبادی:

۱. ﴿وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاهُ﴾(۳)

''یعنی پروردگار عالم نے حکم دیا کہ اس کے علاوہ کسی دوسرے کی عبادت نہ کرو''۔

---

(۱) سورہ انعام ۶ آیت ۷۹

(۲) سورہ انعام آیت ۱۶۲، ۱۶۳

(۳) سورہ اسراء ۱۷ آیت ۲۳

۲. ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾(۱)

''یعنی حکم کرنا صرف خدا کا کام ہے اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے علاوہ کسی دوسرے کی عبادت نہ کی جائے یہی محکم دین ہے لیکن اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے ہیں''

۳. ﴿وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَاءَ.﴾(۲)

''یعنی انھیں سوائے اس کے کوئی حکم نہیں دیا گیا ہے کہ صرف اللہ کی عبادت کی جائے اور دین کو خالص رکھا جائے''

۴. ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ﴾(۳)

''یعنی ہم نے ہر امت کے لئے رسول بھیجے تا کہ تم لوگ صرف اللہ کی عبادت کرو اور بتوں کی عبادت سے بچو''۔

---

(۱) سورہ یوسف آیت ۴۰

(۲) سورہ بینہ ۹۸ آیت ۵

(۳) سورہ نحل ۱۶ آیت ۳۶

۵. ﴿وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلٰهًا وَاحِدًا لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ سُبْحَانَهُ عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾ (۱)

"یعنی ان کو سوائے اس کے کوئی حکم نہیں دیا گیا ہے کہ خدائے وحدہ لاشریک کی عبادت کرو، کوئی معبود نہیں سوائے اس کے جو کہ پاک و پاکیزہ ہے ہر اس چیز سے جس کو تم اس کا شریک قرار دیتے ہو"

توحید عبادی کی اہمیت:

توحید کی تین اقسام اسی توحید عبادی کا مقدمہ تھیں کیونکہ عبادت دعوت انبیاءؑ کا ثمرہ اور توحید کا اصلی رکن ہے۔ اسی لئے عبادت بارگاہ خداوندی میں خضوع کے ساتھ سر تسلیم خم کرنے کا نام ہے وہ خدا جو کہ کمال مطلق ہے اور اس کے علاوہ کوئی بھی کمال مطلق نہیں ہے۔

مفہوم عبادت: عبادت کی کئی تعریفیں کی گئیں ہیں اور بعض مقامات پر افراط و تفریط سے بھی کام لیا گیا ہے، ہم یہاں پر کچھ تعریفیں ذکر کریں گے اور بعض مؤلفین کی تعریفوں پر نقض بھی پیش کریں گے۔

۱۔ عبادت: یعنی انتہائی خضوع و تواضع اور ذلت کا اظہار کرنا پروردگار عالم کی بارگاہ میں چاہے وہ کامل اعتقاد خالقیت اور اپنی طرف سے خالص عبدیت کے لحاظ سے نہ ہو یہ تعریف مشہور محققین کی طرف سے ذکر ہوئی ہے۔

---

(۱) سورہ توبہ ۹ آیت ۳۱

۲۔عبادت: یعنی خدائے وحدہٗ لاشریک پر اعتقاد کامل کے ساتھ خضوع و تواضع کرنا اس نظریہ کے جو لوگ حامل ہیں ان کا یہ کہنا ہے کہ جو عبادت خدا پر عقیدۂ کامل کے ساتھ نہ ہو تو ایسی عبادت، عبادت شمار نہیں ہوتی ہے البتہ یہ شکِ عبادی بھی نہیں ہے اس سے معلوم ہوا کہ وہ شخص جو خدا کے بارے میں عقیدۂ کامل رکھے بغیر جتنے بھی خضوع اور احترام کے ساتھ عبادت کرتا ہے تو اس کی عبادت، عبادت حساب نہیں ہوگی کیونکہ عبادت کا مفہوم قصد قربت ہے۔

صاحب تفسیر ''المنار'' سورہ حمد کی تفسیر میں عبادت کے معنی یوں تحریر کرتے ہیں:

عبادت کے معنی تنہا خضوع و تواضع کرنا نہیں ہے بلکہ خدائے عظیم کی عظمت اور قدرت کے بارے میں اعتقاد کامل رکھنا ہے جس کی قدرت کا احاطہ تو کوئی بھی نہیں کر سکتا لہٰذا یہ تو ممکن ہے کہ عاشق اپنے معشوق کے مقابلہ میں نہایت خضوع سے پیش آئے اس حد تک کہ اس کے معشوق کے ارادے میں خود کو فانی کر دے لیکن اس کے باوجود اس کو عبادت نہیں کہیں گے، اسی طرح دنیا کے بادشاہوں کے سامنے نہایت خضوع و تواضع سے پیش آنا ان کی عبادت کرنا شمار نہیں ہوتا ہے۔(۱)

علامہ محمد حسین طباطبائیؒ نے بھی اپنی تفسیر میں سورہ حمد کی تفسیر کرتے ہوئے عبادت کے معنی یوں تحریر کئے ہیں ''عبادت تنہا خاضع ہونا نہیں ہے بلکہ حقیقی عبادت

(۱) تفسیر المنار ج ۱ ص ۵۶

اسے کہتے ہیں کہ بندہ اپنے آپ کو اپنے پروردگار کا عبد جانے اور پروردگار عالم کو مالک مطلق جانتا ہو۔(۱)

پھر علامہؒ اس آیت ﴿وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ﴾(۲) کی تفسیر کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں کہ ''بندے کا عمل اس طرح سے ہو کہ اپنے خالق کو خالق اور خود کو اس کی مخلوق ہونے کے اعتقاد کے ساتھ سجدہ، رکوع کرنا، اور اس کے ہر حکم کی تعمیل کرنا ہے کیونکہ جتنی اس چیز کی انسان میں صلاحیت زیادہ ہوگی اسی لحاظ سے اس کے درجات بھی بلند ہوں گے۔(۳)

لہٰذا مذکورہ دونوں تفاسیر کے تحت عبادت میں خدائے وحدہٗ لاشریک کے بارے میں اعتقاد کا صحیح ہونا قبولیت کی شرط ہے۔

---

(۱) تفسیر المیزان ج ۱ ص ۲۲

(۲) سورہ بقرہ آیت ۳۴

(۳) تفسیر المیزان ج ۱ ص ۱۲۴

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دسواں درس:

تفسیر پیام قرآن کے کئے ہوئے معنیٰ عبادت پر تنقید

عبادت کے معنیٰ میں تفسیر پیام قرآن کے مؤلف کا یہ موقف ہے کہ عبادت مکمل طور سے جھکنے اور ذلت و عاجزی کی انتہاء کو چھونے کا نام ہے اگر چہ اس ذلت و خاکساری میں اللہ تعالیٰ کے مالک اور رب ہونے کا عقیدہ شامل نہ ہو اور عبادت مخصوص ہے صرف ذات احد سے اسی دلیل کی بنا پر وہ غیر خدا کو سجدہ کرنا جائز نہیں سمجھتے ہیں۔

تفسیر پیام قرآن میں اس طرح سے آیا ہے:

جو کچھ کلمۂ عبادت کے قرآن، سنت اور روزمرہ کے استعمالات اور اہل لغت سے معنی معلوم ہوتے ہیں وہ یہی انتہائی خضوع کے اظہار کو کہتے ہیں نہ کہ خدا کے معبود و خالق ہونے کے اعتقاد کا نام ہے، اسی لئے اگر کوئی سورج، چاند، آگ وغیرہ کے آگے سجدہ کرے ان کی طرف سے ہونے والی برکات کے نتیجے میں تو اس کو سورج پرستی، چاند پرستی اور آگ پرستی کہا جاتا ہے اسی طرح اگر کوئی کسی مجسمے کے سامنے چاہے وہ مجسمہ نیک لوگوں کا ہو یا بادشاہوں کا ہو یا ظالم افراد کا ہو ان کے

احترام میں اس مجسمہ کے آگے سجدہ کرنا یا اس سے بڑھ کر اگر ائمہؑ کے آگے بھی ان کے عالی مقام کی وجہ سے سجدہ کیا جائے تو یہ بھی ایک قسم کی پرستش کہلاتی ہے جس سے منع کیا گیا ہے۔

اسی دلیل کے تحت قرآن نے صریح طور پر سورہ فصلت کی آیت ۳۷ میں سورج و چاند کے سامنے سجدہ کرنے سے منع کیا ہے۔ ﴿لاتسجدوا لِلشَّمْسِ وَلا لِلْقَمَرِ﴾ اور اسی دلیل کے تحت اکثر روایات اسلامی میں غیر خدا کے آگے سجدہ کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

منجملہ ان روایات میں سے وہ سات روایات ہیں جو وسائل الشیعہ کے ابواب سجدہ کے باب ۲۷ میں ذکر ہوئی ہیں۔(۱)

درحقیقت اس تفسیر پیام قرآن لکھنے والے نے عبادت اور سجدہ کے معنی ملا کر کے دونوں کے ایک معنی لئے ہیں جب کہ عبادت اور سجدہ کے درمیان منطقی اعتبار سے عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے یعنی سجدہ عبادت سے زیادہ وسیع اور کشادہ ہے۔

اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے احترام میں خاک پر اپنا سر رکھ دیتا ہے تو اس کو عبادت نہیں کہا جا سکتا ہے کیونکہ عبادت ایک قسم کی پرستش ہے جو کہ خالق حقیقی کی ربانیت و مالکیت کے عقیدے کے ساتھ انجام پاتی ہے۔ لہٰذا ائمہؑ کی ضریح اقدس کے سامنے ان کے احترام میں سجدہ کرنے میں کوئی قباحت نہیں کیونکہ یہ سجدہ

---

(۱) پیام قرآن ج ۳ ص ۲۹۸

ان کی خالقیت اور مالکیت کے عقیدے کے ساتھ نہیں ہوتا ہے بلکہ صرف ان کے احترام میں ہوتا ہے۔ ہمارے اس مدعاء پر دلیل یہی آیۂ مبارکہ ہے جس میں خود خداوند عالم نے ملائک کو آدمؑ کے آگے سجدہ کرنے کا حکم دیا ﴿وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِکَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ﴾ لیکن کسی کو بھی غیر خدا کے آگے عبادت کرنے کی اجازت نہیں دی گئی ہے۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ مفہوم عبادت اور سجدہ میں عموم وخصوص مطلق کی نسبت ہے اور کسی وقت بھی ان دونوں کو معنی کے لحاظ سے مساوی نہیں لیا گیا ہے۔

جیسا کہ حضرت یعقوبؑ اور ان کے بیٹوں کا حضرت یوسفؑ کی عظمت کے سامنے احترام میں سر جھکا دینا عبادت شمار نہیں ہوتا ہے کیونکہ اس تعظیم میں وہ لوگ حضرت یوسفؑ کی پرستش کا ارادہ نہیں رکھتے تھے جیسا کہ خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے:

- ﴿وَرَفَعَ أَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوا لَهُ سُجَّداً﴾(۱)

''یعنی یوسفؑ اپنے والدین کو اپنے تخت سلطنت پر لے گئے اور سب نے یوسف کے احترام میں سجدہ کیا۔

علامہ طباطبائیؒ اس آیت ﴿وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِکَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ﴾ میں سجدہ کے معنی کے بارے میں تحریر کرتے ہیں کہ اس جملے سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ غیر

---

(۱) سورہ یوسف ۲۰ آیت ۱۰۰

خدا کے لئے سجدہ جائز نہیں اگر کوئی یہ گمان کرے کے سجدہ ایک ذاتی عبادت ہے یعنی جس پر سوائے عبادت کے عنوان کے کوئی دوسرا عنوان منطبق نہیں آتا ہے تو اس کی بات صحیح نہیں ہے اور اس معنی پر اکتفاء بھی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ جو چیز ذاتی ہو وہ اپنے آپ میں اختلاف کو قبول نہیں کرتی ہے جب کہ سجدہ ایسا نہیں ہے کیونکہ سجدہ میں ممکن ہے کہ کوئی اسی عمل سجدہ کو عبادت کے علاوہ کسی اور نیت سے انجام دے مثلاً کسی کا مذاق اڑائے یا کسی کی توہین کرے اگر چہ اس کا یہ پورا عمل اصلی سجدے ہی کی مانند کیوں نہ ہو عبادت نہیں کہلاتا ہے۔(۱)

کتاب وسائل الشیعہ کے باب سجدہ میں آیا ہے:

(اِنَّ زندیقاً قال لِاَبی عَبْدِا للّٰہِ اَیَصْلَحُ السُّجودُ لِغَیْرِ اللّٰہِ ؟ قال :لاَ، قال : فَکَیْف اَمَرَا للّٰہُ الْمَلائِکَۃَ بِالسُّجودِ لِآدم ؟ فقال:اِنّ مَنْ سَجَدَ بِاَمْرِ اللّٰہِ فَقَدْ سَجَدَ للّٰہ، فَکَانَ سُجُودُہُ لِلّٰہِ اِذا کَانَ عَنْ اَمْرِ اللّٰہِ)(۲)

"یعنی ایک زندیق شخص نے امام صادق علیہ السلام سے سوال کیا کہ کیا غیر خدا کے آگے سجدہ کرنا صحیح ہے امامؑ نے جواب دیا نہیں پھر زندیق نے سوال کیا کہ پھر کیوں خداوند عالم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدم کے آگے سجدہ کریں.امامؑ نے جواب

---

(۱) المیزان ج ۱ ص ۱۲۵

(۲) وسائل الشیعہ ج ۴ ص ۹۸۵ باب ۲۷ ح ۴

دیا جس نے بھی خدا کے حکم سے سجدہ کیا گویا خود خدا ہی کو سجدہ کیا اور کیونکہ ملائکہ نے بھی بحکم خدا سجدہ کیا لہٰذا گویا خود اللہ تعالیٰ کو سجدہ کیا''۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ وہ سجدہ جو مسجود کی عبادت کے قصد سے ہو وہ عقیدۂ توحید کے ساتھ اختلاف رکھتا ہے جیسا کہ مشرکین بتوں اور ان کی مانند دوسری چیزوں کے آگے عبادت کے قصد سے سجدہ کرتے تھے لیکن وہ سجدہ جو مسجود کے احترام میں ہو یا بحکم الٰہی انجام پائے جیسے ملائکہ کا حضرت آدم کے آگے سجدہ کرنا خدا کی وحدانیت کے ساتھ کوئی اختلاف نہیں رکھتا ہے۔ البتہ یہ بات بھی مخفی نہ رہے کہ عبادت کے معنی سجدے میں دوسری عبادت کی نسبت واضح اور روشن معلوم ہوتے ہیں شاید غیر خدا کے آگے سجدہ کرنے سے منع کرنے سے روایات کا یہی مقصد ہو۔

امام حسن عسکریؑ سے مروی ہے:

(لَایَنْبَغِي لِاَحَدٍ اَن یَسْجُدَ لِاَحَدٍ مِنْ دُونِ اللّٰهِ یَخْضَعُ لَهُ کَخُضُوعِهِ لِلّٰهِ وَ یُعَظِّمُهُ بِالسُّجُودِ لَهُ کَتَعْظِیمِهِ لِلّٰهِ.) (۱)

''یعنی انسان کے لئے یہ سزاوار نہیں کے وہ غیر خدا کے آگے سجدہ کرے اور سجدہ کے ذریعے اس کی تعظیم کرے اسی طرح جس طرح خدا کے آگے سجدے کے ذریعے تعظیم کرتا ہے اور اس کی بارگاہ میں خضوع وخشوع کرتا ہے''

---

(۱) وسائل الشیعہ ج ۳ ص ۹۸۶ باب ۲۷ ح ۷

ملائکہ کا حضرت آدمؑ کو سجدہ کرنے کا کیا معنی ہے؟

ملائکہ نے جو بحکم خدا آدمؑ کو سجدہ کیا اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک معنیٰ ظاہری دوسرے معنیٰ حقیقی اور ملائکہ کے حضرت آدمؑ کو سجدہ کرنے کے معنیٰ واقعی حقیقی اور معنوی سے مراد یہ ہے کہ ہم نے ملائکہ سے کہا کہ تم لوگ آدمؑ کے اختیار میں ہو اور اسی کی اطاعت کرو کیونکہ کائنات میں موجود تمام قوتیں انسان کے اختیار میں ہیں سوائے شیطان کے جو کہ انسان کی مصلحت کے خلاف حرکت کرتا ہے. اس معنی کا لازمہ یہ نہیں ہے کہ حتی ملائکہ نے سجدہ ظاہری بھی آدمؑ کے آگے نہیں کیا ہے کیونکہ ممکن ہے وہی صورتحال جو اس وقت رونما ہوئی کہ ملائکہ پورے خضوع کے ساتھ حضرت آدمؑ کے سامنے پیش آئے اور یہ نکتہ تھا انسان کی عملی زندگی میں خضوع عملی کا جو قیامت تک انسان نے اپنے اوپر سجدے کو واجب قرار دیا ہے۔

اب یہاں پر سوال جو پیش آتا ہے وہ یہ کہ ملائکہ کے سجدے کی کیفیت کیسی تھی؟

کیا انھوں نے انسانوں کی مانند خاک پر پیشانی کو رکھا اور حضرت آدمؑ کے آگے سجدہ کیا؟

البتہ شاید ہمارے ذہنوں میں یہ بات خیال آئے کہ ملائکہ کا حضرت آدمؑ کو سجدہ کرنا وہی پیشانی کا خاک پہ رکھنا مراد ہے. لیکن یہ بات ملائکہ کی شان کے لائق نہیں کیونکہ وہ اس مادہ سے تو ہیں نہیں اگر کوئی ملائکہ کے سجدہ کرنے سے مراد یہی

پیشانی کا خاک پر رکھنا مراد لیتا ہے تو گویا اس نے عالم مادہ سے قیاس کیا ہے ایسا ہے کہ اگر ہم کہیں (قال اللہ) یعنی خدا کا اپنی زبان کو اپنے منہ میں حرکت دے کر کسی مطلب کا ادا کرنا۔

پس معلوم ہوا کہ بنیادی طور پر ہمیں ملائکہ کے سجدہ کرنے کی روش ہی معلوم نہیں ہے فقط جو بات ہم اس مورد میں کہہ سکتے ہیں وہ یہ کہ ملائکہ نے بہر حال کوئی ایسی حالت ضرور اختیار کی ہوگی جس پر عنوان سجدہ لاگو ہوتا ہے۔

فضائل قرآن پر ایک حدیث:

قال امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام

"تَمَسَّکْ بحبل القران و انتصحه و حلل حلاله و حَرِّمْ حرامه و اَعْمَلْ بفرائضه و أحکامه"(۱)

امیر المؤمنین علیؑ نے فرمایا:

قرآن کی رسی کو تھام لو، اس کی نصیحت پر عمل کرو، اس کے حلال کردہ کو حلال جانو اس کے حرام کردہ کو حرام جانو اس کے بتائے ہوئے واجبات اور احکام پر عمل کرو۔

(۱) کتاب غرر الحکم ج ۲ ص ۴۵۶۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم

گیارہواں درس:

شفاعت

گفتگو کا محور توحید عبادی تھا توحید عبادی میں ہمارا نعرہ ﴿اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نستعین﴾ اور (وَرَبِّ هَبۡ لِي كَمَالَ الۡانقطاعِ اِلَيۡكَ) ہے۔

اس بنیاد پر کچھ حضرات یہ گمان کرتے ہیں کہ ہر طرح کی شفاعت اور توسل کرنا غیر خدا سے جائز نہیں ہے اور شریعت اسلام میں غیر خدا سے توسل کرنا اور شفاعت طلب کرنا ناروا ہے گویا کہ یہ کام ایک طرح کی غیر خدا کی عبادت ہے اور شرکِ عبادی میں شمار ہوتا ہے، اس طرح کا عقیدہ رکھنے والے متعصب لوگوں کی بحث جو کہ خود کو محافظ توحید کا نام دیتے ہیں ہمارے دائرۂ بحث سے باہر ہے قارئین مزید معلومات کے لئے اس موضوع پر لکھی گئی کتابوں کی طرف رجوع کر سکتے ہیں یہاں پر ہم تین مسائل کے بارے میں تحقیق پیش کرتے ہوئے اس موضوع پر اٹھائے جانے والے شبہات کو دور کریں گے۔

مفہوم شفاعت:

شفاعت کے دو معنی ہیں۔

۱۔جزوی شفاعت: یہ وہ شفاعت ہے جس میں شفاعت طلب کرنے والا، شفاعت کرنے والے سے تعلقات کی بناء پر اپنی مرضی سے اپنے فائدے کی ہر بات منوالیتا ہے جس کو عام لوگوں کی اصطلاح میں ''پارٹی بازی'' کہا جاتا ہے اس طرح کی شفاعت تو بارگاہ پروردگار میں محال ہے کیونکہ اولاً کسی کو اللہ تبارک وتعالیٰ پر قدرت نہیں کہ وہ اپنی رائے کو اس پر تھوپ سکے یا اس کے ارادے کو بدل سکے کیونکہ ذات باریٔ تعالیٰ ہر لحاظ سے واجب الوجود ہے یعنی جس طرح واجب الوجود اپنی ذات میں دوسرے کا محتاج نہیں اسی طرح اپنی صفات اور افعال میں بھی کسی دوسرے کا محتاج نہیں ہوا کرتا، وہ دوسروں کے لئے مؤثر ہوتا ہے لیکن کوئی چیز اس میں کسی طرح کی تبدیلی یا اثر نہیں ڈال سکتی۔

دوسرے یہ کہ خداوند عالم فرماتا ہے:

﴿نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ﴾(۱)

''یعنی میں تمہاری شہ رگ حیات سے بھی زیادہ تم سے نزدیک ہوں، تو جب اللہ تعالیٰ اتنا نزدیک ہے تو کوئی اور ہمارے اتنا نزدیک نہیں ہوسکتا ہے بلکہ یہ خود انسان ہے جو اپنے خدا سے اتنا نزدیک ہے۔

---

(۱) سورہ ق ۵۰ آیت ۱۶

۲۔اصلی شفاعت: اسلام کی نگاہ میں شفاعت کے معنی وسیلے کی تکمیل کا نام ہے، اسی لغوی معنی سے شفاعت کے معنی لئے گئے ہیں کیونکہ شفاعت ''شفع'' سے نکلا ہے جس کے معنی ایک چیز کو دوسری چیز سے ملانے کے ہیں یعنی جفت کے عدد کے لئے استعمال ہوتا ہے اور یہ لفظ ''وتر'' کے برخلاف ہے جو طاق عدد کے لئے استعمال ہوتا ہے، خداوند عالم اپنی الٰہی اور آسمانی کتاب میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ﴾(۱)

''یعنی اے صاحبان ایمان اللہ سے ڈرو اور اس تک پہنچنے کا وسیلہ طلب کرو'' انسان بعض اوقات جب بارگاہ پروردگار میں کوئی عمل انجام دیتا ہے تو عمل میں نقص گنوایا جاتا ہے کیونکہ انسان جتنا بھی عبادات کی شرائط کا لحاظ رکھتے ہوئے عبادت انجام دے تب بھی اپنے آپ میں کوتاہی کا احساس کرتا ہے اور کیونکہ جس پروردگار کی بارگاہ میں حاضر ہو رہا ہے اس کی شان کے لائق نہیں ہے اسی لئے کہا جاتا ہے کہ انسان خطاؤں کا پتلا ہے یہاں تک کہ ائمہ طاہرینؑ بھی اپنے اعمال میں کمی ونقص کا احساس کرتے تھے البتہ ان کا یہ احساس اس لحاظ سے تھا کہ انسان جتنا بھی خدا کی عظمت کو درک کرتا ہے اپنے آپ کو اس کی عظمت کے مقابلے میں اتنا ہی ناچیز پاتا ہے اور اپنے عمل کے ناچیز ہونے کا زیادہ اعتراف کرتا ہے، حتی معصومین دنیاوی زندگی کی زینتوں کو بارگاہ الٰہی میں تقرب حاصل کرنے کی رکاوٹ محسوس

---

(۱) سورہ مائدہ ۵ آیت ۳۵

کرتے تھے لہذا انسان جب نماز پڑھنا چاہتا ہے تو پاک صاف لباس پہن کر انگلی میں عقیق کی انگوٹھی پہن کر مسجد کی طرف نماز جماعت کے لئے جاتا ہے تاکہ اپنے نقائص کو دور کرے اور ایک کامل عمل کو اپنے پروردگار عالم کی بارگاہ میں پیش کرے یا انسان جب توبہ کرتا ہے یا دعا کرتا ہے تو ائمہ طاہرینؑ کی بارگاہ میں پیش ہوتا ہے تاکہ ان کی مدد سے توبہ اور دعائیں قبول ہوسکیں، یا یہ دعا و توبہ کے لئے ایسے اوقات کا انتظار کرتا ہے جن میں جلدی دعا مستجاب ہوتی ہے مثلاً جمعہ کا دن یا طلوع فجر کے وقت اسی طرح توبہ اور دعا کے لئے مقدس مقامات کو بھی اختیار کرتا ہے مثلاً حجر اسماعیلؑ، مقام ابراہیمؑ مسجد اور معصومینؑ کے حرم وغیرہ تاکہ اس کے گناہوں کے سبب جو نقائص اس کے عمل میں پیدا ہوئے ہیں ان کو دور کرسکے اور اپنی توبہ اور دعا کو مکمل کرسکے یہ وہی چیز ہے جس کو خداوند عالم اپنے پیغمبرؐ سے یوں ارشاد فرما رہا ہے:

﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَلَمُوا اَنْفُسَهُمْ جَاؤُكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَحِيمًا.﴾ (۱)

"یعنی اے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب لوگوں نے (نافرمانی کر کے) اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا اگر تمہارے پاس چلے آتے اور خدا سے معافی مانگتے اور اے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (تم) بھی ان کی مغفرت چاہتے تو بیشک وہ لوگ خدا کو بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان پاتے"

---

(۱) سورہ نساء۴ آیت ۶۴

یعنی اگر تم لوگ چاہتے ہو کہ تمہاری دعائیں اور توبہ ایک انسان کامل کی دعاؤں کے ساتھ مل کر مکمل ہوں تو پیغمبر ﷺ کی بارگاہ میں جاؤ اور اپنی دعاؤں اور توبہ کو اس کی نیک دعاؤں کے ساتھ ملاؤ تا کہ تمہاری دعائیں اور توبہ قبول ہوں۔

پیغمبر ﷺ کی بارگاہ میں جانے کا مقصد یہ ہے کہ میرا عمل ناقص ہے جس کو ایک کامل چیز جو کہ دعاء پیغمبر ﷺ ہے اس کے ذریعے سے مکمل کروں۔

اس مذکورہ وضاحت کے تحت شفاعت دو اقسام (صحیح و باطل) میں تقسیم ہو جاتی ہے۔

صحیح شفاعت: وہ شفاعت ہے جس میں قانون بنانے والے کے ارادے اور قانون پر کسی پارٹی یا نقص قانون وغیرہ کا غلبہ نہ ہو، انسان اپنے عمل کرنے کے ساتھ ساتھ اولیاء خدا کو اپنا وسیلہ بناتا ہے تا کہ اپنے عمل کو پایۂ تکمیل تک پہنچا سکے۔

باطل شفاعت میں شفاعت کرنے پر غلبہ پا کر اپنے فائدے میں حکم کو بدلوا دینا جو کہ حقیقتاً پارٹی بازی ہے اور ذاتِ پروردگار اس قسم کے کام سے مبرا ہے۔

کیا شفاعت اس آیت ﴿نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ﴾ سے مخالفت رکھتی ہے؟

بعض لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ شفاعت بطور کلی قانون عقل کے خلاف ہے اور ایک قسم کی قانون شکنی ہے لہٰذا یہ لوگ شفاعت کو بالکل منع کرتے ہیں اور اسی مذکورہ آیت کے ذریعے دلیل پیش کرتے ہیں کہ جب خدا کہہ رہا ہے کہ ''میں تمہاری

شہ رگ حیات سے زیادہ تم سے نزدیک ہوں تو پھر کسی واسطے کی ضرورت نہیں ہے۔

ہم اس طرح کا عقیدہ رکھنے والوں کو تین طریقوں سے جواب دیں گے:

اولاً: ہم ان کے قضیہ سالبہ کلیہ کو موجبہ جزئیہ کے ذریعے باطل کرتے ہیں اور وہ اس طرح سے کہ آپ کا اتنی بات کا مان لینا کہ ہاں پیغمبر ﷺ کی حیات میں شفاعت کا مسئلہ قبول ہے جیسا کہ وہابیوں نے اور ان کے بزرگان میں سے ابن تیمیہ نے بھی اس بات کو تسلیم کیا ہے لہٰذا ان کا بالکل سے شفاعت کا انکار کرنا (جو کہ قضیہ سالبہ کلیہ تھا) اس مثال سے (جو کہ موجبہ جزئیہ ہے) باطل ہوا۔

ثانیاً: پیغمبر ﷺ کے لئے موت و حیات کا مسئلہ نہیں ہے انسان اگر چاہے تو پیغمبر کی وفات کے بعد بھی ان کی قبر کے کنارے کھڑا ہو کر چاہے کہ آنحضرتؐ اس کے لئے طلب مغفرت کریں تو کر سکتے ہیں جیسا کہ اہل سنت اور اہل تشیع دونوں کا یہی عقیدہ ہے۔

ثالثاً: خداوند عالم اپنی آسمانی کتاب میں خود شفاعت کرنے والے کی طرف رہنمائی کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَابْتَغُوا اِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ﴾ (۱)

اور دوسری آیت میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿مامِنْ شفيعٍ اِلاّ مِنْ بَعْدِ اِذْنِهِ﴾ (۲)

---

(۱) مائدہ ۵ آیت ۳۵

(۲) سورہ یونس ۱۰ آیت ۳

"یعنی کوئی سفارش نہیں کر سکتا مگر اس کی اجازت کے بعد لہٰذا معلوم ہوا مسئلہ استشفاع (شفاعت کی طلب) میں شرط یہ ہے کہ اس شفیع کو خدا نے پہچوایا ہو اور اس کی طرف سے اسے شفاعت کی اجازت دی گئی ہو اور ایسی شفاعت نہ تو عقیدہ توحید سے کوئی مخالفت رکھتی ہے اور نہ انسانی عقل سلیم سے۔

فضائل قرآن پر ایک حدیث:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

"ان اردتم عیش السعداء و موت الشهداء والنجاة یوم الحشر والظل یوم الحرور و الهدیٰ یوم الضلالة فادرسوا القران فانه کلام الرحمن و حرز من الشیطان ورجحان فی المیزان" (۱)

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اگر سعادت مند زندگی چاہتے ہو، شہادت کی موت چاہتے ہو روز محشر کی نجات چاہتے ہو، گرمی سے تپتے ہوئے دن میں سایہ چاہتے ہو، ضلالت والے دن ہدایت چاہتے ہو، تو قرآن کی تعلیم حاصل کرو کیونکہ وہ کلام خدا ہے، شیطان کے مقابل میں سپر ہے، منزل عدالت میں عمل کے سنگین ہونے کا سبب ہے۔

جامع احادیث الشیعہ ج ۱۵ ص ۹

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بارہواں درس:

شفاعت کرنے والے کی شرائط

جیسا کہ گذشتہ بحث میں گزرا ''شفاعت''شفع سے نکلا ہے جس کے معنی دو چیزوں کو آپس میں ملانے کے ہیں اور اصطلاح میں شفاعت کے معنی یہ ہیں کہ گناہگار انسان اپنی مغفرت کے لئے اور دعا کی قبولیت کے لئے ائمہ معصومینؑ کی بارگاہ میں جا کر ان کو اپنے اور خدا کے درمیان واسطہ بناتا ہے، اسی لئے ہر کس و ناکس کو شفاعت کرنے کا اختیار نہیں ہے بلکہ بعض آیات کے مطابق تو شفاعت کا حق صرف ذات باری تعالیٰ کے لئے ہے جیسا کہ ارشاد ہوا:

﴿قل لِلّٰہِ الشَّفاعَۃُ جمیعاً﴾(۱)

''یعنی اے رسول کہدو کہ ساری شفاعت تو اللہ تعالیٰ سے مخصوص ہے''

لہٰذا خدا کے علاوہ کوئی اور مقام شفاعت پر قرار پا جائے تو اس کے لئے کچھ شرائط اور خصوصیات ہونی چاہئے ہیں جیسا کہ بعض آیات قرآنی سے بعض شرائط کو سمجھا جا سکتا ہے۔

(۱) زمر ۳۹ آیت ۴۴

(الف) پروردگارِ عالم کی طرف سے خاص اجازت کا ہونا:

۱. ﴿مَنْ ذَاالَّذِی یَشْفَعُ عِنْدَهُ اِلاّ بِاِذْنِهِ﴾(۱)

''یعنی کون ہے جو اس کی بارگاہ میں اس کے اذن کے بغیر کسی کی شفاعت کرے؟

۲. ﴿یَوْمَئِذٍ لاَ تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلاّ مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ﴾(۲)

''یعنی قیامت کے دن کسی کی شفاعت کوئی فائدہ نہیں پہنچائے گی مگر جس کو خداوند رحمٰن اذن عطا کرے گا''۔

۳. ﴿مَا مِنْ شَفِیعٍ اِلاّ مِنْ بَعْدِ اِذْنِهِ﴾(۳)

''یعنی خدا کے اذن کے بغیر کوئی شفاعت نہیں کرسکتا ہے''

۴. ﴿وَکَمْ مِنْ مَلَکٍ فِی السَّمٰوٰاتِ لاَ تُغْنِی شَفَاعَتُهُمْ شَیْئاً اِلاّ مِنْ بَعْدِ اَنْ یَأْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ یَشَآءُ.﴾(۴)

''یعنی اور آسمانوں میں بہت سے فرشتے ہیں جن کی سفارش بھی کچھ کام نہیں آتی مگر خدا جس کے لئے چاہے اجازت دے''۔

---

(۱) سورہ بقرہ ۲ آیت ۲۵۵

(۲) سورہ طٰہٰ ۲۰ آیت ۱۰۹

(۳) سورہ یونس ۱۰ آیت ۳

(۴) سورہ نجم ۵۳ آیت ۲۶

لہٰذا معلوم ہوا کہ شفاعت کرنے والے کا انتخاب خداوند عالم کرتا ہے اور اس کو اذن شفاعت عطا کرتا ہے شفاعت کرنے والے کا انتخاب لوگوں کے ہاتھوں میں نہیں ہے۔

جس طرح بت پرست لوگ بتوں کو اپنا شفیع انتخاب کر کے کہتے تھے:

﴿وَيَقُولُونَ هٰؤُلَاءِ شُفَعَائُنَا عِنْدَا للّٰهِ﴾(۱)

''یعنی وہ لوگ کہتے ہیں یہ بت ہماری شفاعت کرنے والے ہیں خدا کے پاس''

(ب) شفاعت، جائز کام میں ہونی چاہئے:

شفاعت کرنے والے کی شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ جس شخص کی یہ شفاعت کرنا چاہ رہا ہے وہ ایسے کام میں ہو جو شرعاً جائز ہو یعنی وہ فعل جس کے بارے میں شفاعت کی جارہی ہے وہ پروردگار عالم کی رضایت کا باعث ہو۔

مثال کے طور پر اگر وہ دعا کرے کہ خدا اسے ناجائز کام میں کامیاب کردے تو یہ دعا ہرگز رضایتِ خدا کو فراہم نہیں کر سکے گی اور خداوند عالم ایسے شخص کی شفاعت کو بھی ہرگز قبول نہیں کرے گا۔

---

(۱) سورہ یونس ۱۰ آیت ۱۸

جیسا کہ سورہ طٰہٰ میں ارشاد ہوتا ہے: ﴿یَوْمَئِذٍ لاَّ تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلاَّ مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِیَ لَهُ قَوْلاً.﴾(۱)

''یعنی اس دن کسی کی شفاعت کام نہیں آئے گی مگر جس کو خدا نے اجازت دی ہو''۔

(ج) جس شخص کی شفاعت کی جارہی ہو خدا بھی اس سے راضی ہو:

ایسے شخص کے لئے کی گئی شفاعت قابل قبول ہے جس سے خداوند عالم بھی راضی ہو لہٰذا شفاعت کرنے والے افراد ایسے شخص کی ہرگز شفاعت نہیں کر سکتے جو بارگاہ الٰہی میں مغضوب شمار ہوتا ہو کیونکہ سرکش اور نافرمان انسان ہرگز رضایت خدا نہیں حاصل کرسکتا بلکہ وہ انسان رضایت پروردگار حاصل کرنے میں کامیاب ہوسکتا ہے جو اپنے تمام وجود کو طاعت خدا میں لگا دیتا ہو جیسا کہ سورۂ انبیاء میں آیا ہے:

﴿لاَیَشْفَعُونَ اِلاَّ لِمَنِ ارْتَضیٰ﴾(۲)

''یعنی وہ (فرشتے) سوائے اس شخص کے جس سے اللہ راضی ہو، شفاعت نہیں کرتے''۔

دوسری آیت میں شفاعت کو ظالمین سے جو کہ مشرک اور منافق ہیں اٹھالیا گیا ہے اور ارشاد ہوتا ہے:

---

(۱) سورہ طٰہٰ ۲۰ آیت ۱۰۹

(۲) سورہ انبیاء ۲۱ آیت ۲۸

﴿وَمَا لِلظّٰلِمِينَ مِنْ حَمِيمٍ وَّلَا شَفِيعٍ يُّطَاعُ﴾ (۱)

''یعنی سرکش لوگوں کا نہ تو کوئی دوست ہوگا اور نہ کوئی ایسا سفارش کرنے والا جس کی سفارش قبول کی جائے''

(د) شفیع کو شرک سے پاک ہونا چاہئے:

شفاعت کرنے والے کی شرط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ وہ خدا پرست ہو اور شفاعت کو غیر خدا سے مانگنے سے منع کرنے والا ہو اور ہمیشہ توحید خداوندی کا عقیدہ رکھنے والا اور خدا کی خصوصی عنایات کا اعتقاد رکھتا ہو اور خدا کی وحدانیت اور حقانیت کی گواہی دیتا ہو۔

﴿وَلَا يَمْلِكُ الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ.﴾ (۲)

''یعنی اور خدا کے سوا جن کی یہ لوگ عبادت کرتے ہیں وہ تو سفارش کا بھی اختیار نہیں رکھتے مگر جو لوگ سمجھ بوجھ کر حق بات (توحید) کی گواہی دیں''

---

(۱) سورہ مؤمن ۴۰ آیت ۱۸

(۲) سورہ زخرف ۴۳ آیت ۸۶

(ھ) شفاعت کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ علم و آگاہی رکھتا ہو:

یعنی جو شخص حق بات میں خدائے وحدہٗ لاشریک کا عقیدہ رکھتے ہوئے بھی اگر کسی کی شفاعت کر رہا ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کا یہ عقیدہ علم اور کامل آگاہی کے ساتھ ہونا چاہئے اور وہ یہ جانتا ہو کہ وہ کس کی شفاعت کر رہا ہے:

اِلاَّمَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ.﴾(۱)

یعنی مگر جو لوگ سمجھ بوجھ کر حق بات (توحید) کی گواہی دیں''۔

(و) شفاعت کرنے والے نے خدا کی طرف سے اپنی سفارش کے قبول ہونے کا اقرار لیا ہوا ہو:

قرآن کریم سورہ مریم میں گنہگاروں اور مجرموں کے بروز قیامت جہنم کی طرف روانہ کرنے کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿لَايَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ اِلاَّمَنِ اتَّخَذَ عِنْدَا لرَّحْمٰنِ عَهْداً.﴾(۲)

''یعنی اس دن یہ لوگ سفارش پر بھی قادر نہیں ہوں گے مگر ہاں جس شخص نے خدا سے (سفارش کا) اقرار لے لیا ہو''(۳) اس اقرار سے مراد روایات کے تحت دوستی آل محمدؐ اور عمل صالح ہو سکتا ہے

(۱) سورہ زخرف ۴۳ آیت ۸۶

(۲) سورہ مریم ۱۹ آیت ۸۷

(۳) مجمع البیان ج ۳ ص ۵۳۱، تفسیر تبیان ج ۷ ص ۱۵۰

شفاعت کے اثرات:

جو کچھ آیات کے تحت ذکر ہوا اس سے شفاعت کے کچھ مثبت اثرات کو انسانی زندگی میں یوں سمجھا جا سکتا ہے۔

ا۔ خدا سے امید کا وابستہ رکھنا:

شفاعت کا سب سے بڑا مثبت اثر جو ہے وہ یہ کہ انسان کو خدا کی طرف سے امید ہوتی ہے اور نا امیدی ختم ہو جاتی ہے کیونکہ بعض اوقات ممکن ہے انسان گناہوں کے ارتکاب کے سبب خدا سے اپنی امید کو کھو بیٹھتا ہے اور نا امیدی کا شکار ہو جاتا ہے لیکن اولیاء خدا کی شفاعت کی امید اسے یہ خوشخبری دیتی ہے کہ اگر اب تک گناہ کے مرتکب ہوتے رہے اور اپنی اصلاح اور تزکیہ نفس نہیں کیا تو ممکن ہے اولیاء اللہ کی شفاعت اس کے نقائص کے خلاء کو پر کر دیگی اور مغفرت گناہ کا سبب بن جائیگی لہٰذا اس طرح ممکن ہے جہنم کی آگ سے نجات پا سکیں. اور حقیقت میں فلسفہ شفاعت بھی اس دنیا میں رحمت الٰہی ہے یعنی یہ کہ انسان خدا کی رحمت سے لو لگائے رہے اور اپنے نیک اعمال کو دوام بخشے۔

لہٰذا خداوند عالم نے اپنی رحمت کے دروازے اپنے بندوں کے لئے کھول رکھے ہیں، ہر ایک اپنے اپنے نیک اعمال کے لحاظ سے اللہ کی رحمت سے فایدہ اٹھاتا ہے۔ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی آخری عمر میں مسلمانوں کے لئے خطبہ ارشاد فرمایا: اس خطبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو چیزوں کو نجات اور کامیابی کے لئے ذکر فرمایا

ہے ایک عمل اور دوسری رحمت الٰہی۔

(اَیُّها النّاسُ اِنَّهُ لَیسَ بَینَ اللّٰهِ وَ بَینَ اَحَدٍ نَسَبٌ وَلا اَمرٌ یؤتِیهِ بِهِ خَیراً اَو یَصرِفُ عَنهُ شَرّاً اِلّا العَمَلُ، اَلا یَدَّعِیَنَّ مُدَّعٍ وَلا یَتَمَنَّیَنَّ مُتَمَنٍّ. وَالَّذِي بَعَثَنِي بِالحَقِّ لا یُنجِي اِلّا عَمَلٌ مَعَ رَحمَةٍ وَلَو عَصَیتُ لَهَوَیتُ. اَللّٰهُمَّ هَل بَلَّغتُ)(۱)

یعنی اے لوگوں خداوند عالم کی کسی کے ساتھ کوئی رشتہ داری نہیں ہے اور کسی قسم کا کوئی ایسا معاملہ نہیں جس سے فائدہ اٹھایا جائے اور ضرر کو دور کیا جائے مگر صرف عمل ہے۔ آگاہ رہو صرف دعوے کر کے اور بے جا امیدیں وابستہ رکھ کے نہ بیٹھ جانا، قسم اس خدا کی جس نے مجھے اس حق اور حقیقت کے لئے بھیجا جو انسانوں کی نجات کا سبب ہے اور وہ عمل اور رحمت الٰہی ہے اور میں جو کہ پیغمبر ہوں اگر خود میں نے بھی گناہ کیا ہوتا تو نابود ہو چکا ہوتا، اے خدا کیا میں نے پیغام پہنچا دیا؟

۲۔ ناامیدی کو دور کرنا:

شفاعت کے منجملہ آثار میں سے ایک انسانوں سے ناامیدی کو دور کرنا ہے یعنی شفاعت کی امید سبب بنتی ہے کہ انسان رحمت الٰہی سے مایوس نہ ہو۔

کیونکہ رحمتِ الٰہی سے مایوس ہونا بہت خطرناک حالت ہے جو انسان میں پیدا ہو سکتی ہے مثلاً اگر ایک بلی کو کسی کمرے میں اسطرح بند کر دیا جائے اس کے

---

(۱) شرح نہج البلاغۃ (ابن ابی الحدید) ج ۱۰ ص ۱۸۳

لئے کوئی راہ فرار باقی نہ رہے تو وہ بلی ایسی خطرناک و درندہ بن جاتی ہے کہ پھر کسی بھی چیز سے نہیں ڈرتی، اگر اپنے نزدیک کسی انسان کو دیکھے اور اس تک دست رسی ہو تو اس کو قتل کرنے کے بھی درپے ہو جاتی ہے۔

اسی طرح انسان بھی جب اپنے آپ کو ہر طرح سے مجبور اور محبوس پاتا ہے تو ایک خطرناک انسان میں تبدیل ہو جاتا ہے اور پھر کسی بھی گناہ سے خوف و ہراس نہیں رکھتا اور کہتا ہے کہ اب جب جہنم میں جانا ہی ٹھہرا تو جہاں اتنے گناہ وہاں تھوڑے اور سہی۔

بہت سی آیات اور روایات اہل بیت میں اللہ کی رحمت سے مأیوسی کا ذکر آیا ہے اور اس کی مذمت کی گئی ہے، ایک ایسے شخص کے بارے میں جس نے ساٹھ سادات کی گردنیں کاٹی تھیں اور روزے کے ایام میں اسے کھاتا پیتا دیکھ کر جب کسی نے اس سے پوچھا کہ وہ روزہ کیوں نہیں رکھتا؟ تو اس نے جواب دیا کہ ساٹھ سادات کا خون کرنے کے بعد اب کیونکر ممکن ہے کہ وہ رحمت خدا کی امید میں رہے کہ وہ اسکے روزوں کو بھی قبول کرے گا۔ جب امام جعفر صادقؑ سے سوال کیا گیا تو آپؑ نے فرمایا ''اس کی ناامیدی ان ساٹھ سادات کے قتل سے بھی بڑا گناہ ہے خدا وند عالم نے قرآن حکیم میں ناامیدی کو کفر کی حدوں کو چھونے والا گناہ قرار دیا ہے:

﴿وَلَا تَيْئَسُوا مِنْ رَوْحِ اللّٰهِ اِنَّهُ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ

الْکَافِرُوْنَ.﴾(۱)

''یعنی اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا کیونکہ اللہ کی رحمت سے صرف کافر قوم مایوس ہوتے ہیں''۔

پھر سورہ حجر میں ارشاد ہوا:

﴿قَالُوْا بَشَّرْنَاکَ بِالْحَقِّ فَلَا تَکُنْ مِنَ الْقَانِطِیْنَ. قَالَ وَمَنْ یَقْنَطُ مِنْ رَحْمَةِ رَبِّهٖ اِلَّا الضَّالُّوْنَ.﴾ (۲)

''یعنی وہ فرشتے (حضرت ابراہیمؑ سے) بولے کہ ہم نے آپ کو بالکل ٹھیک خوشخبری دی ہے تو آپ (بارگاہ خداوندی سے) ناامید نہ ہوں ابراہیمؑ نے کہا گمراہوں کے سوا اور ایسا کون ہے جو اپنے پروردگار کی رحمت سے ناامید ہو''

امام جعفر صادق علیہ السلام ناامیدی کی مذمت اور اس کو گناہ کبیرہ قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

(الیَأسُ اَشَدُّ مِنَ الزَّمهریر)(۳)

''یعنی ناامیدی اس سے بھی زیادہ سخت ہے کہ انسان کو ٹھنڈک سے منجمد کر دیا جائے''۔

---

(۱) سورہ یوسف ۱۲ آیت ۸۷

(۲) سورہ حجر ۱۵ آیت ۵۵،۵۶

(۳) بحار الانوار ج ۶۹ ص ۳۳۸ ح ۱

۳۔شرائط شفاعت کی توفیق کے حصول کی طرف گامزن ہونا:

کیونکہ جو شفاعت کی امید رکھتا ہے وہ کوشش کرتا ہے اپنے آپ کو زیادہ سے زیادہ نیک کاموں کا عادی بنائے تا کہ اولیاء خدا اس سے راضی ہوں اور ایسا عمل انجام دے کہ اس کے اس نیک عمل کے سبب خدا ان شفاعت کرنے والوں کی شفاعت اس کی بعض کمزوریوں اور کوتاہیوں کے بارے میں قبول کر لے۔

جیسا کہ گذشتہ روایات میں ذکر ہوا اللہ صرف ان کو حق شفاعت دیتا ہے جن کے گفتار سے راضی رہتا ہے ﴿وَرَضِیَ لَهُ قَوْلاً.﴾(۱)

''یعنی خدا جس کی گفتار سے راضی ہوتا ہے اس کو شفاعت کا حق دیتا ہے''

(۱) سورہ طٰہٰ ۲۰ آیت ۱۰۹

فضائل قرآن پر ایک حدیث:

قال امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام:

"تدبّروا آیات القران و اعتبروا به فانه ابلغ العبر "(۱)

امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے فرمایا:

آیات قرآن میں غور وفکر سے کام لو اور ان سے عبرت لو کیونکہ قرآن عبرت لینے کے لحاظ سے سب سے بڑی چیز ہے۔

(۱) غرر الحکم ج ۲ ص ۴۴۹۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تیرہواں درس:

رحمت الٰہی کے دروازے

پروردگار عالم نے انسانوں کی ہدایت اور علمی کمالات تک پہنچنے کے لئے اپنی رحمت کے دروازے انسانوں کے لئے کھول رکھے ہیں۔ ''شفاعت بھی'' اللہ کی رحمت واسعہ کا ایک دروازہ ہے جو اس نے انسانوں کے لئے کھول رکھا ہے لہٰذا ہماری گفتگو اللہ کی رحمتوں کے بارے میں ہوگی۔

۱۔ اللہ کا انسانوں سے مغفرت کا وعدہ کرنا:

یہ بھی اس کی رحمت کا ایک باب ہے جیسا کہ قرآن میں جگہ جگہ یہ وعدۂ الٰہی ملتا ہے. یہاں تک اکثر آیات میں اس نے اپنے آپ کو غفور کہا ہے تاکہ انسان کو اس بات کی یاد دہانی کرادے کہ اگر اس سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مأیوس نہ ہو۔

﴿قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ.﴾(۱)

(۱) سورہ زمر ۳۹ آیت ۵۳

''یعنی (اے رسول) تم کہدو کہ اے میرے (ایمان دار) بندوں جنھوں نے (گناہ کر کے) اپنی جانوں پر زیادتیاں کی ہیں تم لوگ خدا کی رحمت سے ناامید نہ ہونا بیشک خدا (تمہارے) سارے گناہوں کو بخش دے گا، بیشک وہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے''

گذشتہ آیۂ کریمہ میں دو قابل توجہ نکات ہیں:

(الف): خدا نے اس آیت میں ﴿یا ایھا الناس﴾ نہیں کہا بلکہ ''یا عبادی'' کہا یعنی اے میرے بندوں یعنی اے وہ لوگ جنکا تعلق مجھ سے ہے تم میرے بندے ہو اور میں تمہارا مولیٰ ہوں لہٰذا اس طرح کی تعبیر لانا خدا کے لطف و مہربانی کو ثابت کر رہی ہے۔

تو ایسی صورت میں عبد اپنے آقا سے لطف اور مہربانی و محبت ہی کی امید رکھتا ہے نہ یہ کہ وہ اس سے چشم پوشی کرے اس کی طرف کوئی توجہ ہی نہ کرے۔

(ب): اس آیت میں سات تاکیدیں استعمال کی گئی ہیں (۱) لفظ انّ (۲) الف ولام کلمۂ الذنوب میں (۳) ذنوب کا جمع استعمال ہونا (۴) جمیعاً (۵) انّ دوم (۶) ھو ضمیر منفصل (۷) الغفور۔

یعنی تم لوگ یہ نہ سوچو کے تمہارے بعض گناہ کے مرتکب ہونے سے تمام ابواب رحمت تمہارے اوپر بند ہو چکے ہیں بلکہ خدا چاہے تو تمہارے تمام گناہ بخش سکتا ہے حتی وہ سیاہ نقطہ بھی تمہارے قلب پر باقی نہیں رہنے دے گا جو گناہوں کے سبب

تمہارے قلب پر آچکا تھا۔

۲۔توبہ:

رحمت الٰہی کا دوسرا دروازہ توبہ کا ہے تا کہ انسان مایوس نہ ہو کہ وہ دروازہ بھی بند ہو چکا ہے:

﴿اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِنْ قَرِيبٍ فَأُولٰئِكَ يَتُوبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيماً حَكِيماً﴾(۱)

''یعنی خدا کی بارگاہ میں توبہ تو صرف ان لوگوں کی (ٹھیک) ہے جو نادانستہ بُری حرکت کر بیٹھیں (اور) پھر جلدی سے توبہ کر لیں (تو البتہ) خدا بھی ایسے لوگوں کی توبہ قبول کر لیتا ہے اور خدا تو بڑا جاننے والا حکیم ہے''

مذکورہ آیت میں چند نکتے قابل ذکر ہیں:

(الف) خداوند عالم نے توبہ کی قبولیت کو اپنے اوپر واجب کیا ہے ﴿اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ﴾ کے ذریعے۔

(ب) توبہ ان لوگوں کی قبول ہوگی جو جہالت اور نادانی کے سبب گناہ کے مرتکب ہو گئے ہوں؛

﴿لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ﴾

---

(۱) سورہ نساء ۴ آیت ۱۷

(ج) گناہ کے مرتکب ہونے کے بعد فوراً توبہ کی جائے اور اپنے گناہوں پر پشیمان ہوا جائے:

﴿کَانَ اللّٰہُ عَلِیماً حَکِیماً.﴾

دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿وَ یَجْزِیَ الَّذِینَ اَحْسَنُوا بِالْحُسْنیٰ. اَلَّذِینَ یَجْتَنِبُونَ کَبَائِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ اِنَّ رَبَّکَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ هُوَ اَعْلَمُ بِکُمْ اِذْ اَنْشَاَکُمْ مِنَ الْاَرْضِ وَاِذْاَنْتُمْ اَجِنَّةٌ فِي بُطُونِ اُمَّهَاتِکُمْ فَلَا تُزَکُّوا اَنْفُسَکُمْ هُوَاَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقیٰ.﴾(۱)

''یعنی جن لوگوں نے نیکی کی ہے ان کو ان کی جزا دی جائے گی جو صغیرہ گناہوں کے سوا کبیرہ گناہوں سے اور بے حیائی کی باتوں سے بچتے رہتے ہیں بے شک تمہارا پروردگار بڑی بخشش والا ہے وہی تم کو خوب جانتا ہے جب اس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا اور جب تم اپنی ماؤں کے پیٹ میں بچے تھے تو (تکبر سے) اپنے نفس کی پاکیزگی نہ جتایا کرو جو پروردگار ہے وہ اس کو اچھے طریقے سے جانتا ہے۔

مذکورہ آیت میں دو مہم نکات کی طرف اشارہ ہوا:

(الف) ﴿لَمَمَ﴾ کے معنی کھینچے ہوئے کے ہیں یعنی جو لوگ گناہ کو عملاً و قصداً انجام نہیں دیتے بلکہ گناہ کی طرف کھینچے چلے جاتے ہیں ہم ان کے گناہوں کو بخش دیں گے۔

---

(۱) سورہ نجم ۵۳ آیت ۳۱، ۳۲

امام جعفر صادق علیہ السلام سے جب لمم کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپؑ نے فرمایا (هُوَ الذَّنْبُ يُلِمُّ بِهِ الرَّجُلُ فَيَمْكُثُ مَا شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ يُلِمُّ بِهِ بَعْدُ) ''یعنی لمم وہ گناہ ہے جس کو انسان چھوڑے اور پھر اس سے بچا رہے جب تک اللہ چاہے اور پھر جب اللہ اس کو ذرا سا آزاد چھوڑ دے تو یہ پھر اسی گناہ کا مرتکب ہو جائے۔

دوسری مرتبہ پھر جب امام صادق علیہ السلام سے اسی ﴿لَمَمَ﴾ کے معنی کے بارے میں سوال ہوا تو آپؑ نے فرمایا: (اَللَّمَمُ الْعَبْدُ الَّذِي يُلِمُّ الذَّنْبَ بَعْدَ الذَّنْبِ لَيْسَ مِنْ سَلِيقَتِهِ اَيْ مِنْ طَبِيعَتِهِ) ''یعنی لمام اس انسان کو کہتے ہیں جو ایک گناہ کے بعد دوسرے گناہ کو انجام دے جو اس کی طبیعت اور عادت کے خلاف ہو (یعنی بغیر قصد کئے اس گناہ کی طرف کھنچ جائے۔(۱)

کچھ لوگوں نے ﴿لَمَمَ﴾ کو گناہ صغیرہ کے معنی میں فرض کیا ہے اور آیت میں اس طرح معنی کئے ہیں کہ ''خداوند عالم تمہارے چھوٹے گناہوں کو بخش دے گا اس شرط کے ساتھ کہ تم گناہان کبیرہ سے پرہیز کرو ایسی صورت میں گویا گناہوں کو دو اقسام صغیرہ اور کبیرہ کی طرف تقسیم کیا گیا ہے۔

(ب) ﴿كَبَائِرَ الْاِثْمِ﴾ اس آیت میں اضافہ بیانیہ ہے یعنی بڑے جو گناہ ہیں وہ سب گناہ کبیرہ ہیں لہٰذا ایسی صورت میں گناہوں کو صغیرہ اور کبیرہ کی

(۱) اصول کافی کتاب ایمان وکفر باب لمم ح ۵

طرف تقسیم کرنا غلط ہے، ہاں خود کبائر آپس میں ایک دوسرے کی نسبت صغیرہ وکبیرہ ہیں مثلاً بے گناہ شخص کو طمانچہ مارنا اسے زخمی کرنے کی نسبت صغیرہ ہے لیکن خود بے گناہ کو طمانچہ مارنا گناہ کبیرہ ہے۔

سورۂ توبہ میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿تَنْزِيلُ الْكِتَابِ مِنَ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ. غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ﴾(۱)

یعنی (اس) کتاب (قرآن) کو نازل کرنا (خاص بارگاہ) خدا سے ہے (سب سے) غالب بڑا واقف کار گناہوں کا بخشنے والا اور توبہ کا قبول کرنے والا ہے"۔

۳۔ شفاعت:

تیسرا دروازۂ رحمت شفاعت ہے جو کہ مسلسل انسانوں کو امید دلا رہی ہے اور ان کو رحمت پروردگار سے دور نہیں ہونے دے رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ کمال تک پہنچ سکے پس اگر وہ جسمانی خواہشات کی طرف جانے لگے اور اس کی زندگی میں انحرافات وجود میں آجائیں تو اس کے کمال کی راہ میں حائل نہ ہوں۔ لہٰذا اس نے مغفرت کے وعدے اور توبہ کی قبولیت کے دو دروازوں کی طرح شفاعت کا تیسرا دروازہ بھی کھلا رکھا تا کہ ختم نہ ہونے والی رحمت کا سلسلہ منقطع نہ ہونے پائے۔

رحمت کے ان دروازوں کا وجود اس کی رحمت کی وسعت پر دلیل ہے جس

---

(۱) سورہ توبہ ۴۰ آیت ۲،۳

طرح خدا کا علم تمام کائنات پر محیط ہے رحمت پروردگار بھی تمام موجودات کو اپنے احاطہ میں لئے ہوئے ہے:

﴿وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَحْمَةً وَعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِينَ تَابُوا وَاتَّبَعُوا سَبِيلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ.﴾(۱)

"یعنی اور مومنوں کے لئے بخشش کی دعائیں مانگا کرتے ہیں کہ پروردگار تیری رحمت اور تیرا علم ہر چیز پر احاطہ کئے ہوئے ہے جن لوگوں نے (سچے) دل سے توبہ کر لی اور تیرے راستہ پر چلے ان کو بخش دے اور ان کو جہنم کے عذاب سے بچالے۔

مذکورہ گفتگو ملائکہ کے بارے میں تھی کہ وہ مؤمنین کے لئے طلب مغفرت کرتے ہیں البتہ وہ لوگ جو ایمان لا چکے ہیں اور غفلت و جہالت کے سبب گناہ کر بیٹھتے ہیں۔

اسی مذکورہ آیت کے فوراً بعد ارشاد ہوا:

﴿رَبَّنَا وَأَدْخِلْهُمْ جَنَّاتِ عَدْنٍ الَّتِي وَعَدْتَهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ وَقِهِمُ السَّيِّئَاتِ وَمَنْ تَقِ السَّيِّئَاتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهُ وَذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ.﴾(۲)

---

(۱) سورہ مؤمن ۴۰ آیت ۷

(۲) سورہ مؤمن ۴۰ آیت ۸، ۹

"یعنی اے ہمارے پالنے والے ان کو سدا بہار باغوں میں جن کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے داخل فرما اور ان کے باپ داداؤں اور ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے جو لوگ نیک ہوں ان کو (بھی بخش دے) تو ہی زبردست حکمت والا ہے اور ان کو ہر قسم کی برائیوں سے محفوظ رکھ اور جس کو تو نے اس دن (قیامت) کے عذابوں سے بچالیا اس پر تو نے بڑا رحم کیا اور یہی تو بڑی کامیابی ہے۔

باوجود اس کے کہ خداوند عالم نے مغفرت کا وعدہ کیا ہے اس نے ملائکہ کی دعا کو بھی یہاں ذکر کیا، یہ خود اس کی رحمت کے وسیع ہونے پر دلیل ہے کہ ملائکہ بھی خدا سے انسانوں کے لئے طلب مغفرت کرتے ہیں، اس کے علاوہ ایک خاص عطائے الٰہی بھی ہے جس سے خداوند عالم اپنے نیک، صالح مؤمنین کو نوازتا ہے۔

کیونکہ عطائے الٰہی دو طرح کی ہے۔

۱۔ عطائے خاص: اور وہ یہ ہے کہ انسان کو اللہ تبارک تعالیٰ اتنی بصیرت دے کہ وہ جانتے بوجھتے ہوئے اپنے آپ کو گناہ سے دور رکھے یہ مقام عصمت کا پہلا درجہ ہے خداوند عالم کچھ لوگوں کو بصیرت و آگہی عطا کرتا ہے وہ اس کے نتیجہ میں مقام عصمت تک پہنچ جاتے ہیں اور اسی آگہی و بصیرت کے ساتھ ایک پابند زندگی گذارتے ہیں اور خود کو گناہ اور بڑی چیزوں سے آلودہ نہیں کرتے۔(۱)

---

(۱) کتاب تنزیہ الانبیاء، (ہادی معرفت ص ۱۱۸)

۲۔عطائے عام: یہ عطا! وہ ہے جو خداوند عالم نے تمام موجودات کو عطا کی ہے اور سب اس کی اس نعمت سے بہرہ مند ہیں یہ کوئی استثنائی چیز نہیں ہے بلکہ تمام موجودات اپنے امکان اور قابلیت کے تحت سیکھتے ہیں، یہ عطاء بھی سعادت تک پہنچنے کے لئے اور عذاب سے نجات حاصل کرنے کے لئے مؤثر ہے لہٰذا قرآن مجید ارشاد فرماتا ہے:

﴿مَن يُصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهُ.﴾ (۱)

یعنی جو بھی اس دن عذاب خدا سے نجات پا گیا رحمت الٰہی اس کے شامل حال ہو جائے گی۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے آخری خطبے میں ارشاد فرماتے ہیں:

(اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّهُ لَيْسَ بَيْنَ اللّٰهِ وَ بَيْنَ اَحَدٍ نَسَبٌ وَلَا اَمْرٌ يُؤْتِيهِ بِهِ خَيْراً اَوْيَصْرِفُ عَنْهُ شَرّاً اِلَّا الْعَمَلُ، اَلَا يَدَّعِيَنَّ مُدَّعٍ وَلَا يَتَمَنَّيَنَّ مُتَمَنٍّ. وَالَّذِي بَعَثَنِي بِالْحَقِّ لَا يُنْجِي اِلَّا عَمَلٌ مَعَ رَحْمَةٍ وَلَوْ عَصَيْتُ لَهَوَيْتُ. اَللّٰهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ)(۲)

یعنی اے لوگوں خدا کی کسی سے کوئی رشتہ داری نہیں ہے اور کوئی بھی راہ منفعت حاصل کرنے اور ضرر کو دور کرنے کی نہیں ہے سوائے عمل کے، آگاہ رہو کہ خالی ادعا نہ کیا کرو اور بے جا آرزوویں نہ رکھو، قسم اس ذات کی جس نے مجھے حق کے

(۱) سورہ انعام ۶ آیت ۱۶

(۲) شرح نہج البلاغہ (ابن ابی الحدید) ج ۱۰ ص ۱۸۳

ساتھ مبعوث کیا ہے جو چیز بشریت کی نجات کا سبب بن سکتی ہے وہ اس کا عمل ہے رحمت الٰہی کے ساتھ اور میں جو کہ پیغمبر ہوں اگر گناہ کرتا تو مٹا دیا جاتا، خدایا کیا میں نے حق تبلیغ ادا کر دیا؟

کیا شفاعت گناہ کرنے پر جرأت نہیں دلاتی ہے؟

کیا شفاعت کی امید انسان میں گناہ کی جرأت کو پیدا نہیں کرتی ہے؟ کیا شفاعت گناہ پر نہیں اکساتی ہے؟ کیا شفاعت باعث نہیں بنتی ہے کہ جب ہماری پشت مضبوط ہے آئمہ طاہرینؑ اور اولیاءِ خدا کے ذریعے تو گناہوں کو آزادی انجام دیں؟ خلاصہ یہ کہ کیا شفاعت کی امید گناہوں کے بار بار انجام دینے کا سبب نہیں بنتی؟

جواب اولاً: یہ کہ جو شفاعت کی امید رکھتا ہے وہ گناہ کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا کیونکہ ڈرتا ہے کہ کہیں شرط شفاعت اس کے ہاتھ سے نہ چلی جائے مثلاً رشتہ داروں سے تعلق توڑ کر، غیبت کے ذریعے تمام نیک اعمال جو شفاعت کا سبب بنے تھے باطل ہو جاتے ہیں۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ شفاعت نہ یہ کہ گناہ پر اصرار کا سبب نہیں بنتی بلکہ انسان میں امید ایجاد کرتی ہے اور اس بات کا سبب بنتی ہے کہ انسان کسی وقت بھی رحمت الٰہی سے مایوس نہ ہو۔

ثانیاً: جیسا کہ گذشتہ بحثوں میں اشارہ ہوا کہ انسان اپنے عمل کے ذریعے جو وہ انجام دیتا ہے ایسے مقام تک پہنچ جاتا ہے کہ آئمہ طاہرینؑ اور اولیاءِ خدا کی

طرف سے بھی اس کی اتنی مدد ضرور ہوتی ہے کہ یہ اتنی لغزشوں سے جو ہر انسان سے سرزد ہوتی ہیں پاک و پاکیزہ رہے اور قیامت کے عذاب سے بچ سکے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوا:

﴿وَلَا يَشْفَعُونَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضىٰ﴾(۱)

یعنی وہ لوگ صرف ان لوگوں کی شفاعت کرتے ہیں جن سے خدا راضی ہو۔

اسی بات کی طرف پیغمبر اسلامؐ نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا تھا کہ عمل اور رحمت پروردگار یہ دو انسان کی کامیابی اور نجات کے لئے بنیادی رکن ہیں۔

ثالثاً: کسی طرح کی ضمانت آیات اور روایات میں نہیں ملتی کہ ہر قسم کے گناہگاروں انسان کی آئمہ طاہرینؑ یا اولیائے خدا شفاعت کریں گے بلکہ شفاعت ایک عام طریقے سے خاص شرائط کے ساتھ انجام پائے گی۔

---

(۱) سورہ انبیاء ۲۱ آیت ۲۸

فضائل قرآن پر ایک حدیث:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

"تعلموا القران و اقرؤوه واعلموا انه كائن لكم ذكرا وذخرا و كائن عليكم وزرا فاتبعوا القران ولايتعنكم فانه من تبع القران تهجم به على رياض الجنة ومن تبعه القران زج فى قفاء حتى يقذفه فى جهنم" (۱)

امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے فرمایا:

قرآن کو سیکھو اور پڑھو اور یاد رکھو کہ قرآن تمہارے نام کو سربلند کرے گا اور یہ یاد خدا کا وسیلہ ہے قرآن ذخیرہ بھی ہے اور سنگینی بھی جس نے قرآن کو رہنما مانا اس کے لئے نیکی کا ذخیرہ ہے اور جو خود رہنمائے قرآن بنا تو اس کے لئے قرآن بار سنگین کی مانند ہے جسے وہ اپنی پشت پر لئے جہنم میں پھینکا جائے گا۔

(۱) جامع احادیث الشیعہ ج ۱۵ ص ۱۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

چودھواں درس:

شفاعت قرآن کی نگاہ میں

قرآن کریم نے مختلف انداز سے شفاعت کے مفہوم کو اُجاگر کیا ہے اور اپنی بہت سی آیتوں میں اس کا ذکر کیا ہے شفاعت سے متعلق آیات کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

پہلا حصہ:

اس حصہ میں وہ آیات ہیں جن میں لفظ شفاعت استعمال ہوا ہے مگر اس طرح کی آیات کا مقصد اصل شفاعت کو ثابت کرنا نہیں ہے بلکہ شفاعت کے بارے میں عقیدے کی اصلاح کرنا ہے کیونکہ اسلام کا مقابلہ دو قسم کے گروہوں سے تھا، ۱۔ مشرک و بت پرست، ۲۔ اہل کتاب، ان میں سے ہر ایک کے یہاں شفاعت کا غلط مفہوم رائج تھا۔

(الف) بت پرست:

یہ مشرکوں کا وہ ٹولہ تھا جو بتوں سے نزدیک ہونے کو خدا کی بارگاہ میں شفاعت کا ذریعہ سمجھتے تھے اور کہتے تھے:

﴿هٰؤُلاءِ شُفَعا ئُنا عِندَا للّٰہِ﴾ (۱)

یعنی یہ بت بارگاہ پروردگار میں ہمارے شفیع ہیں۔

دوسری آیت میں شفاعت کے سلسلے میں ان کے باطل عقیدے کو ذکر کیا گیا ہے:

﴿وَالَّذِینَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِہِ اَوْلِیاءَ ما نَعْبُدُھُمْ اِلاَّ لِیُقَرِّبُونااِلَی اللّٰہِ زُلْفیٰ﴾ (۲)

یعنی وہ لوگ جنھوں نے خدا کے غیر کو اپنا ولی اور دوست بنالیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم ان کی پرستش نہیں کرتے ہیں مگر اس لئے کے یہ ہمیں خدا سے نزدیک کرنے والے ہیں۔

قرآن اس اصلی واسطے پر جسے مشرکین اپنے اور خدا کے درمیان قرار دیتے ہیں اعتراض نہیں کرتا ہے۔ بلکہ انھوں نے اس کام کے لئے جس چیز کو اپنے لئے عنوان قرار دیا ہے اس پر قرآن اعتراض کرتا ہے کیونکہ انھوں نے بتوں کو اپنا واسطہ قرار دیا ہوا تھا اور قرآن نے ان کے اس عنوان پر اعتراض کیا ہے کیونکہ جس طرح گذشتہ بحثوں میں اس بات کی طرف اشارہ ہوا کہ قرآن نے حکم کلی:

﴿وَابْتَغُوا اِلَیْہِ الْوَسیلَۃَ﴾ (۳)

---

(۱) سورہ یونس ۱۰ آیت ۱۸

(۲) سورہ زمر ۳۹ آیت ۳

(۳) سورہ مائدہ ۵ آیت ۳۵

دے کر کے اس کے عناوین بھی بتا دیے ہیں ان عنوانوں میں سے ایک عنوان ذاتِ پیغمبرؐ ہیں جیسا کہ قرآن ارشاد فرما رہا ہے:

﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ﴾ (۱)

یعنی (اے رسولؐ) جب ان لوگوں نے (نافرمانی کر کے) اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا اگر تمہارے پاس چلے آتے اور خدا سے معافی مانگتے اور رسولؐ (تم) بھی ان کی مغفرت چاہتے۔

اور پھر آگے چل کر سورہ یونس میں مشرکین کو اس طرح خطاب ہوا کہ:

﴿قُلْ اَتُنَبِّئُوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِى السَّمٰوٰتِ وَلَا فِى الْاَرْضِ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴾ (۲)

یعنی اے پیغمبرؐ ان سے کہدو کہ کیا تم خدا کو ایسی چیز کی خبر دیتے ہو جس کو وہ نہ تو آسمانوں میں (کہیں) پاتا ہے اور نہ زمین میں یہ لوگ جس چیز کو اس کا شریک بناتے ہیں اس سے وہ پاک اور برتر ہے۔

اور پھر سورہ یوسف میں مشرکین کے اعمال کو ان کی اپنی طرف سے گڑھے ہوئے قرار دے کر ان کو خدائے وحدہٗ لاشریک کی طرف دعوت دیتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے۔

---

(۱) سورہ نساء۴ آیت ۶۴

(۲) سورہ یونس۱۰ آیت ۱۸

﴿مَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِهِ اِلَّا أَسْمَاءً سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَ آبَاؤُكُمْ وَمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوا اِلَّا اِيَّاهُ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ.﴾ (۱)

یعنی (افسوس) تم لوگ تو خدا کو چھوڑ کر بس ان چند ناموں ہی کی پرستش کرتے ہو جن کو تم نے اور تمہارے باپ داداؤں نے گڑھ لیا ہے خدا نے تو ان کے لئے کوئی دلیل نہیں نازل فرمائی حکومت تو بس خدا ہی کے واسطے خاص ہے اس نے تو حکم دیا کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو یہی سیدھا دین ہے مگر افسوس ان میں سے اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے ہیں۔

۲۔(ب) اہل کتاب:

اہل کتاب سے یہاں مراد یہود اور نصاریٰ دونوں ہیں اور ان دونوں گروہ کا یہ نظریہ ہے کہ یہ امت خدا کی طرف سے چنی ہوئی ہے اور خدا کی اولاد شمار ہوتی ہے لہٰذا جس طرح باپ اپنی اولاد کے ساتھ محبت رکھتا ہے اور اس کی نافرمانیوں سے درگزر کرتا ہے اسی طرح خدا بھی اپنے گناہگار بندوں کے گناہوں سے درگزر فرماتا ہے۔

خداوند عالم اس گروہ کے اس باطل عقیدے کے متعلق ارشاد فرما رہا ہے:

﴿قَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصَارٰى تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ.﴾ (۲)

---

(۱) سورہ یوسف آیت ۴۰

(۲) سورہ بقرہ آیت ۱۱۱

یعنی یہ اہل کتاب یہود اور نصاریٰ یہ سب کہتے ہیں کہ ان کے سواء کوئی دوسرا جنت میں نہیں جائے گا یہ سب ان کی آرزوئیں ہیں اے پیغمبر آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے پاس اس بات پر کوئی دلیل ہے تو ذرا لے آؤ۔

اس کے بعد خداوند عالم ان کے اس عقیدے پر بطلان کی مہر لگاتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

﴿بَلیٰ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ اَجْرُهُ عِنْدَ رَبِّهِ وَلَا خَوفٌ عَلَيهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ.﴾(۱)

یعنی ہاں البتہ جس شخص نے خدا کے آگے اپنا سر جھکا دیا اور اچھے کام بھی کرتا ہے تو اس کے لئے اس کے پروردگار کے یہاں اس کا بدلہ (موجود) ہے اور آخرت میں ایسے لوگوں پر نہ کسی چیز کا خوف ہوگا اور نہ ایسے لوگ غمگین ہوں گے۔

سورہ مائدہ میں یہود و نصاریٰ کے خدا کے فرزند ہونے کو یوں رد کر رہا ہے:

﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارىٰ نَحْنُ اَبْنَاءُ اللّٰهِ وَاَحِبَّاؤُهُ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوبِكُمْ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِمَّنْ خَلَقَ يَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَ يُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَاِلَيْهِ الْمَصِيرُ.﴾(۲)

---

(۲) سورہ بقرہ آیت ۱۱۲

(۳) سورہ مائدہ آیت ۱۸

یعنی یہود اور نصرانی تو کہتے ہیں کہ ہم ہی خدا کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں (اے رسولؐ ان سے) کہدو کہ اگر ایسا ہے تو پھر تمہیں تمہارے گناہوں کی سزا کیوں دیتا ہے (تمہارا یہ خیال لغو ہے) بلکہ تم بھی اس کی مخلوقات سے ایک بشر ہو خدا جسے چاہے گا بخشے گا اور جس کو چاہے گا سزا دے گا آسمان اور زمین اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان میں ہے سب خدا کا ملک ہے اور (سب کو) اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

اسی طرح سورہ بقرہ میں دوسری جگہ ان کے اس عقیدے کو یوں باطل ثابت کر رہا ہے:

﴿وَقَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّا اَيَّامًا مَّعْدُودَةً قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ.﴾ (۱)

یعنی (یہود و نصاریٰ) کہتے ہیں کہ گنتی کے چند دنوں کے سوا ہمیں آگ چھوئے گی بھی نہیں تو (اے رسولؐ ان سے) کہو کہ اگر تم نے خدا سے کوئی اقرار لے لیا ہے کہ پھر وہ کسی طرح اپنے اقرار کے خلاف ہرگز نہ کرے گا یا بغیر سمجھے بوجھے خدا پر باتیں بناتے ہو۔

یعنی تم لوگ خدا پر جھوٹ باندھتے ہو اور جو چیز خود تم لوگ جانتے ہو جھوٹ جھوٹ خدا کی طرف اس کی نسبت دیتے ہو اور خدا کا عہد و پیمان یہ ہے کہ:

(۱) سورہ بقرہ ۲ آیت ۸۰

﴿بلیٰ من کسب سیئۃ واحطت بہ خطیئتہ فاولٰئک اصحٰب النار ھم فیھا خالدون والذین اٰمنوا وعملوا الصالحات اولٰئک اصحاب الجنۃ ھم فیھا خلدون.﴾ (۱)

یعنی ہاں (سچ تو یہ ہے کہ) جس نے برائی حاصل کی اور اس کے گناہوں نے چاروں طرف سے اسے گھیر لیا ہے وہی لوگ تو دوزخی ہیں اور وہی تو اس میں ہمیشہ رہیں گے اور جو لوگ ایمان دار ہیں اور انھوں نے اچھے کام کئے ہیں وہی لوگ جنتی ہیں کہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے۔

آگے چل کر سورہ مدثر میں یہود و نصاریٰ کے عقیدے کو باطل قرار دیتے ہوئے عمل کو ہر چیز کی اساس قرار دیتے ہوئے ہر شخص کو اس کے عمل کا طوق پہنا دیا گیا ہے:

﴿کل نفس بما کسبت رھینۃ ☆ الا اصحاب الیمین ☆ فی جنات یتسائلون ☆ عن المجرمین ☆ ماسلککم فی سقر ☆ قالوا لم نک من المصلین ☆ ولم نک نطعم المسکین ☆ وکنا نخوض مع الخائضین ☆ وکنا نکذب بیوم الدین ☆ حتی اتینا الیقین ☆ فما تنفعھم شفاعۃ الشافعین ☆﴾ (۲)

---

(۱) سورہ بقرہ ۲، آیت ۸۲،۸۱

(۲) سورہ مدثر ۷۴ آیت ۳۸ سے آیت ۴۸

یعنی ہر شخص اپنے اعمال کے بدلے گروی ہے مگر داہنے ہاتھ (میں نامہ اعمال لینے) والے (بہشت کے) باغوں میں گنہگاروں سے باہم پوچھ رہے ہوں گے کہ آخر تمہیں دوزخ میں کون سی چیز (گھسیٹ) لائی۔ وہ لوگ کہیں گے کہ ہم نہ تو نماز پڑھا کرتے تھے اور نہ محتاجوں کو کھانا کھلاتے تھے اور اہل باطل کے ساتھ ہم بھی بُرے کام میں گھس پڑتے تھے اور روز جزاء کو جھٹلایا کرتے تھے (اور یوں ہی رہے) یہاں تک کے ہمیں موت آ گئی تو (اس وقت) انہیں سفارش کرنے والوں کی سفارش کچھ کام نہ آئے گی۔

سورہ مؤمن میں اس طرح کے افراد کی یوں توصیف بیان کی جاتی ہے۔

﴿مالِلظّٰالمینَ مِنْ حَمیمٍ وَلاٰ شَفیعٍ یُطٰاعُ.﴾(۱)

یعنی ظالم لوگوں کا نہ کوئی دوست ہی ہے اور نہ ان کے بارے میں کسی سفارش کرنے والے کی سفارش ہی قبول کی جائے گی۔

اس بنا پر جن آیات میں لفظ شفاعت استعمال ہوا ہے ان میں مشرکین اور اہل کتاب کے عقائد کی اصلاح کی گئی ہے لہٰذا خداوند عالم نے قرآن کی بہت سی آیات میں شفاعت کو اپنے سے مخصوص قرار دیا ہے:

جس کے لئے مندرجہ ذیل آیات ملاحظہ کریں۔

۱. ﴿قُلْ لِلّٰهِ الشَّفٰاعَةُ جمیعاً.﴾(۲)

یعنی کہو اے نبی کہ شفاعت صرف خدا کا حق ہے۔

---

(۱) سورہ مؤمن ۴۰ آیت ۱۸

(۲) سورہ زمر ۳۹ آیت ۴۴

۲. ﴿مَنْ ذَالَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ اِلَّا بِاِذْنِهِ.﴾(۱)

یعنی کون ہے جو اس کے پاس اس کی اجازت کے بغیر کسی کی شفاعت کرے۔

۳. ﴿مامِنْ شَفِيعٍ اِلَّا مِنْ بَعْدِ اِذْنِهِ.﴾(۲)

یعنی کوئی شفاعت کرنے والا نہیں مگر یہ کہ وہ اس کی اجازت سے شفاعت کرے۔

۴. ﴿يَوْمَئِذٍ لَا تَنْفَعُ الشَّفَعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا﴾(۳)

یعنی اس دن کسی کی سفارش کام نہ آئے گی مگر جس کو خدا نے اجازت دی ہو اور اس کا بولنا پسند کرے۔

۵. ﴿وَكَمْ مِنْ مَلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِي شَفَاعَتُهُمْ شَيْئًا اِلَّا مِنْ بَعْدِ اَنْ يَأْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَشَآءُ وَ يَرْضٰى.﴾(۴)

یعنی آسمانوں میں بہت سے فرشتے ہیں جن کی سفارش بھی کچھ کام نہیں آتی مگر خدا جس کو چاہے اجازت دے اور پسند کرے اس کے بعد (سفارش کر سکتے ہیں)

---

(۱) سورہ بقرہ ۲ آیت ۲۵۵
(۲) سورہ یونس ۱۰ آیت ۳
(۳) سورہ طٰہٰ ۲۰ آیت ۱۰۹
(۴) سورہ نجم ۵۳ آیت ۲۶

۶. ﴿وَلَا يَشْفَعُونَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى﴾ (۱)

یعنی فرشتے سوائے اس کے جس سے خدا راضی ہو شفاعت نہیں کرتے ہیں۔

۷. ﴿لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا.﴾ (۲)

یعنی اس دن یہ لوگ سفارش پر (بھی) قادر نہ ہوں گے مگر (ہاں) جس شخص نے خدا سے (سفارش کا) اقرار لیا ہو۔

۸. ﴿وَلَا يَمْلِكُ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ☆﴾ (۳)

یعنی اور خدا کے سوا جن کی یہ لوگ عبادت کرتے ہیں وہ تو سفارش کا بھی اختیار نہیں رکھتے مگر (ہاں) جو لوگ سمجھ بوجھ کر حق بات (توحید) کی گواہی دیں۔

۹. ﴿مَا لَكُمْ مِنْ دُونِهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا شَفِيعٍ.﴾ (۴)

یعنی سوائے خدا کے تمہارا کوئی دوست اور شفاعت کرنے والا نہیں۔

---

(۱) سورہ انبیاء ۲۱ آیت ۲۸

(۲) سورہ مریم ۱۹ آیت ۸۷

(۳) سورہ زخرف ۴۳ آیت ۸۶

(۴) سورہ سجدہ ۳۲ آیت ۴

دوسری قسم کی آیات

یہ وہ آیات ہیں جو بلا استثناء مسئلہ شفاعت کو ذکر کرتی ہیں اور شفاعت کا وعدہ دیتی ہیں اور شفاعت کے بیان کرنے کا ہدف رکھتی ہیں چاہے لفظ شفاعت کو استعمال نہ بھی کیا گیا ہو۔

۱۔ ملائکہ کے استغفار کرنے والی آیات:

﴿اَلَّذِینَ یَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ یُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ یُؤْمِنُونَ بِهِ وَ یَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِینَ اٰمَنُوا رَبَّنَا وَسِعْتَ کُلَّ شَیْءٍ رَحْمَةً وَعِلْماً فَاغْفِرْ لِلَّذِینَ تَابُوا وَ اتَّبَعُوا سَبِیلَکَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِیمِ ☆رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ الَّتِی وَعَدْتَهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَائِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّیّٰتِهِمْ اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیزُ الْحَکِیمُ ☆وَقِهِمُ السَّیِّئَاتِ وَ مَنْ تَقِ السَّیِّئَاتِ یَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهُ وَذٰلِکَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیمُ ☆﴾(۱)

یعنی جو فرشتے عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو اس کے گرداگرد (معین) ہیں (سب) اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور مؤمنوں کے لئے بخشش کی دعائیں مانگا کرتے ہیں کہ پروردگار تیری رحمت اور تیرا علم ہر چیز پر احاطہ کئے ہوئے ہے تو جن لوگوں نے

---

(۱) سورہ مؤمن ۴۰ آیت ۷۔۹

(سچے) دل سے توبہ کرلی اور تیرے راستے پر چلے ان کو بخش دے اور ان کو جہنم سے بچالے. اے ہمارے پالنے والے ان سدا بہار باغوں میں جن کا ان سے وعدہ کیا ہے داخل فرما اور ان کے باپ داداؤں اور ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے جو لوگ نیک ہوں ان کو (بھی بخش دے) بیشک تو ہی زبردست (اور) حکمت والا ہے. اور ان کو ہر قسم کی برائیوں سے محفوظ رکھ اور جس کو تو نے اس دن (قیامت) کے عذابوں سے بچالیا اس پر تو نے بڑا رحم کیا اور یہی بڑی کامیابی ہے۔

دوسری آیت میں ملائکہ کا استغفار تمام مؤمنین اور جو کچھ روئے زمین پر ہے اس کا بیان ہے:

﴿وَالْمَلٰٓئِكَةُ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ﴾ (۱)

یعنی اور فرشتے تو اپنے پروردگار کی تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور جو لوگ زمین میں بھی ان کے لئے (گناہوں کی) معافی مانگا کرتے ہیں (۲)

۲۔ نماز شب والی آیات:

۱. ﴿وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ

---

(۱) سورہ شوریٰ ۴۲ آیت ۵

(۲) اس عرش سے مراد کائنات چلانے کے امور ہیں جو ملائکہ کے ہاتھ میں اللہ نے دیئے ہوئے ہیں جیسا کہ سورہ نازعات میں آیا ہے کہ فرشتوں کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت کائنات کے امور کو سنبھالنا ہے ﴿فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا﴾

رَبُّکَ مَقاماً مَحمُوداً☆﴾(۱)

یعنی اور رات کے خاص حصہ میں سنت نماز پڑھا کرو جو تم سے مخصوص ہے عنقریب تمہارا پروردگار تمہیں مقام محمود پر بھیج دے گا۔

اس آیت کے بارے میں مفسرین کی اتفاق رائے ہے کہ مقام محمود سے مراد شفاعت ہے:

مرحوم شیخ طبرسیؒ اپنی تفسیر مجمع البیان میں یوں تحریر کرتے ہیں۔

(قَدْاَجْمَعَ الْمُفَسِّرونَ عَلیٰ اَنَّ الْمقامَ الْمَحْمُودَ هُوَمَقامُ الشَّفاعَة،وَهُوَالْمَقامُ الَّذی یَشْفَعُ فِیهِ لِلنّاسِ وَهُوَ الْمَقامُ الَّذی یُعطی فیهِ لِواءَ الْحَمْدِ فَیُوضَعَ فی کَفِّهِ وَ یَجْمَعُ تَحْتَهُ الْاَنْبیاءُ وَالْمَلائِکَةُ فَیَکُونَ اَوَّلَ شافِعٍ واَوَّلَ مُشَفَّعٍ)(۲)

یعنی مفسرین کا اس بات پر اجماع ہے کہ مقام محمود سے مراد مقام شفاعت ہے، یہ وہ مقام ہے جس کے ذریعے سے پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کی شفاعت کریں گے، یہ وہ مقام ہے جس میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد کریں گے پھر ملائکہ کی توصیف کریں گے پھر تمام انبیاء کی اور پھر یہ سب بھی جواب میں آپ کی تعریف وتوصیف کریں گے پس آپ پہلے شافع ومشفع ہیں۔

---

(۱) سورہ اسراء ۱۷ آیت ۷۹

(۲) مجمع البیان ج ۶ ص ۴۳۵

علامہ طباطبائیؒ لکھتے ہیں کہ خداوند عالم نے پیغمبرؐ کے مقام محمود کو مطلق ذکر کیا ہے اور ان کے بارے میں کسی قسم کی کوئی قید نہیں لگائی ہے یہ بات خود اس بات پر دلیل ہے کہ مذکورہ مقام ایسا مقام ہے کہ جس کو ہر ایک پسند کرتا ہے اور یہ بات مسلم ہے کہ مقام حمد و تعریف کو ہر ایک پسند کرتا ہے اسی لئے اس مقام کی ایسی تفسیر کی گئی ہے کہ وہ ایسا مقام ہے جس کی تمام کائنات حمد کرتی ہے اور وہ پیغمبر اکرمؐ کی عظیم شفاعت کا مقام ہے جس پر بروز قیامت پیغمبرؐ فائز ہوں گے اور روایات بھی جو اس آیت میں اہل سنت اور شیعہ لوگوں سے نقل ہوئی ہیں وہ سب بھی اسی معنی کی تائید کرتی ہیں۔(۱)

کتاب توحید شیخ صدوقؒ میں اس آیہ ﴿عسیٰ اَنْ یَبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقاماً مَحْمُوداً﴾ کے ذیل میں ذکر ہے۔

(یکونُ فیہِ مقامُ محمدٍ وَھُوَ الْمَقامُ الْمَحْمُودُ، فَیُثْنِي عَلَی اللّٰہِ تَبارَکَ تَعالیٰ بِمَا لَمْ یُثْنِ عَلَیْہِ اَحَدٌ قَبْلَہُ ، ثُمَّ یُثْنِي عَلَی الْمَلاٰئِکَۃِ کُلِّھِمْ فَلاٰ یَبْقیٰ مَلَکٌ اِلَّا اَثْنیٰ عَلَیْہِ مُحَمَّدٌ ثُمَّ یُثْنِي عَلَی الرُّسُلِ مالَمْ یُثْنِ عَلَیْھِمْ اَحَدٌ قَبْلَہُ، ثُمَّ یُثْنِي عَلیٰ کُلِّ مُؤْمِنٍ وَ مُؤْمِنَۃٍ یَبْدَءُ بِالصِّدیقین وَالشُّھَداءِ ثُمَّ بِالصّٰالحینَ، فَیَحْمَدہُ اَھْلُ السَّمٰوٰاتِ وَالْاَرْضِ، فَذٰالِکَ قَوْلُہُ ﴿عَسیٰ اَنْ یَبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقاماً مَحْمُوداً﴾ فَطُوبیٰ لِمَنْ کانَ لَہُ

(۱) تفسیر المیزان ذیل آیت ۷۹ سورہ اسراء

فی ذالک المقام حظ ،وویل لمن لم یکن لہ فی ذالک المقام حظ ولا نصیب.) (۲)

یعنی جنت میں ایک مقام ہے جس کا نام مقام محمدؐ جس کو مقام محمود کہا گیا ہے یہ وہ مقام ہے جہاں پیغمبر ﷺ تشریف فرما ہوں گے اور خدا کی حمد وثناء کریں گے اور آپؐ سے پہلے کوئی بھی اس عظیم مقام پر فائز نہ ہوسکا پھر تمام ملائکہ کی تعریف اور پھر تمام انبیاء کی توصیف کی اس طرح سے کے آپؐ سے پہلے کسی نے اس طرح کی حمد وثناء اور ملائکہ وانبیاء کی تعریف وتوصیف نہ کی ہوگی پھر تمام مردوں اور عورتوں کی تعریف کریں گے جو صدیقین سے شروع ہوگی اور شہیدوں سے ہوتی ہوئی نیک لوگوں پر ختم ہوجائے گی پھر صالحین کی اور پھر تمام اہل زمین وآسمان آپ کی تعریف کریں گے یہی خدا کے اس فرمان ﴿عسیٰ ان یبعثک ربک مقاما محمودا﴾ کے معنی ہیں لہذا خوشبخت ہے وہ انسان جو آنحضرت کی شفاعت کو پائے اور بدنصیب ہے وہ انسان جو اس شفاعت سے محروم رہے۔

۳۔ رضایت پروردگار والی آیت:

﴿ وللاٰخرۃ خیر لک من الاولیٰ ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ ﴾ (۲)

یعنی اے پیغمبرؐ آخرت آپ کے لئے دنیا سے بہتر ہے اور عنقریب آپ کا

(۱) توحید صدوق ص ۲۶۱

(۲) سورہ ضحیٰ ۹۳ آیت ۴۔۵

پروردگار آپ ﷺ کو عطا کرے گا کہ آپ راضی ہو جائیں۔

شیخ طبرسیؒ مذکورہ آیت کی تفسیر میں یوں تحریر فرماتے ہیں:

(معناه: وَسَيُعطيكَ رَبُّكَ فِي الآخِرَةِ مِنَ الشَّفاعَةِ وَالْحَوْضِ وَ سائِرِ اَنْواعِ الْكَرامَةِ فيكَ وَفي اُمَّتِكَ ما تَرْضىٰ بِهِ)(۱)

یعنی اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ عنقریب خداوند عالم آخرت میں آپ کو شفاعت، حوض کوثر آپکو اور آپ کی امت کو مختلف قسم کے انعام واکرام سے نوازے گا کہ آپ راضی ہو جائیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

(رِضا جَدّي اَنْ لايَبقىٰ فِي النّارِ مُوَحِّدٌ) یعنی میرے جد جناب رسول خدا آخرت میں یہ چاہیں گے کہ خدا پرستوں میں سے کوئی بھی دوزخ میں باقی نہ رہے۔

مزید مطلب مذکورہ آیت کے ذیل میں تفسیر مجمع البیان میں یوں ذکر ہے:

(روى حرث بن شريح عن محمد بن علي بن الحنفيه انه قال: يا اَهْلَ الْعِراقِ! تَزْعَمونَ اَنَّ اَرْجىٰ آيَةٍ في كِتابِ اللّهِ عَزَّ وَ جَلَّ: ﴿قُلْ ياعِبادِيَ الَّذينَ اَسْرَفُوا عَلىٰ اَنفسهم لا تَقْنَطُوا مِنْ رَحمةِ اللّهِ اِنَّ اللّهَ يَغْفِرُ الذُّنوبَ جَميْعاً﴾(۲)

---

(۱) تفسیر مجمع البیان ج ۱۰ ص ۵۰۵

(۲) سورۂ زمر ۳۹ آیت ۵۳

وَ اِنّا اَهْلَ الْبَيْتِ نَقُولُ اَرْجىٰ آيَةٍ فِي كِتابِ اللّٰهِ ﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضىٰ﴾ وَهِيَ وَاللّٰهِ الشَّفاعَةُ لَيُعْطِيَنَّها فِي اَهْلِ لا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ حَتّٰى يَقُولَ: رَبِّ رَضِيتُ.)(۱)

یعنی حرث بن شریح محمد بن حنفیہ سے اور وہ اپنے والد بزرگوار حضرت علی علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے اہل عراق سے کہا: تم اہل عراق یہ کہتے ہو کہ قرآن کی تمام آیات کی نسبت یہ آیت سب سے زیادہ امید دلانے والی ہے کہ اے میرے بندوں جنھوں نے اپنے نفسوں کے ساتھ ستم کئے ہیں میری رحمت سے مایوس نہ ہونا خدا تمہارے سارے گناہ بخش سکتا ہے اور ہم اہل بیتؑ اس بات کے معتقد ہیں کہ قرآن میں سب سے زیادہ امید دلانے والی آیت یہ ہے ﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيكَ رَبُّكَ فَتَرْضىٰ﴾ کہ خدا کی قسم وہ مقام شفاعت ہے جو کلمۂ (لا اله الا اللـــه) پڑھنے والوں کے لئے ہے یعنی یہ وہ مقام ہے جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا کیا جائے گا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم راضی وخوشنود ہو جائیں۔

۴۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استغفار والی آیات:

۱. ﴿فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ.﴾(۲)

یعنی اے پیغمبر لوگوں سے درگزر سے کام لو اور ان کے لئے طلب مغفرت کرو اور امور میں ان سے مشورے کرلیا کرو۔

---

(۱) مجمع البیان ج۱۰ص۵۰۵

(۲) سورہ آل عمران ۳ آیت ۱۵۹

دوسری جگہ قرآن میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مومنہ عورتوں کے لئے طلب مغفرت کرنے کے بارے میں یوں ارشاد ہوا:

۲. ﴿وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ.﴾(۱)

یعنی اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مومنہ خواتین کے بارے میں طلب مغفرت کرو کیونکہ تمہارا پروردگار بڑا بخشنے والا ہے۔

اور پھر سورہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ارشاد ہوا:

۳. ﴿وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ﴾(۲)

یعنی اے پیغمبرؐ ان گناہوں کے لئے جو لوگوں نے تمہارے بارے میں کئے ہیں اور مؤمن مردوں اور مؤمنہ عورتوں کے لئے طلب مغفرت کرو۔

سورہ نور میں یوں ارشاد ہوا:

۴. ﴿وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ.﴾(۳)

یعنی اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مؤمنین کے لئے طلب مغفرت کرو بیشک تمہارا پروردگار بڑا بخشنے والا ہے۔

---

(۱) سورہ ممتحنہ ۶۰ آیت ۱۲

(۲) سورہ محمدؐ ۴۷ آیت ۱۹

(۳) سورہ نور ۲۴ آیت ۶۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پندرہواں درس:

شفاعت روایات کی روشنی میں

یہ ایک غیر قابل انکار حقیقت ہے جسے اب تک ہم نے آیات کی روشنی میں ثابت کیا اب ہم احادیث کے آئینے میں اسے پیش کرنا چاہتے ہیں:

۱. قَالَ رَسُولُ اللہِ: (اَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِی یَوْمَ الْقِیَامَۃِ مَنْ قَالَ: لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ خَالِصاً مِنْ قَلْبِہِ اَوْ نَفْسِہِ.) (۱)

یعنی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "وہ انسان قیامت کے دن سب سے زیادہ سعادت مند ہے جو میری شفاعت سے ہمکنار ہوگا اور یہ وہ انسان ہوگا جو کلمہ لا الہ الا اللہ کو خلوص دل سے کہتا ہوگا۔"

---

(۱) صحیح بخاری ج ۱ ص ۳۶

۲۔ (لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ فَتَعَجَّلَ كُلُّ نَبِيٍّ دَعْوَتَهُ وَإِنِّي اِخْتَبَأْتُ دَعْوَتِي شَفَاعَةً لِأُمَّتِي مَنْ مَاتَ مِنْهُمْ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا.) (۱)

یعنی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر پیغمبر کے لئے بارگاہ الٰہی میں ایک دعاء مستجاب ہے جس کو خدا ضرور قبول کرتا ہے اور تمام انبیاءؑ نے اس دنیا میں اس دعا کو خدا سے چاہا ہے اور خداوند عالم نے بھی ان کی اس دعاء کو قبول کیا ہے لیکن میں نے اپنی اس دعاء مستجاب کو آخرت کے لئے چھوڑ رکھا ہے اور وہ یہ ہے کہ خداوند عالم سے میں یہ چاہوں کے وہ میری امت کو بخش دے اس شرط کے ساتھ کے وہ باایمان اس دنیا سے اٹھے اور اس کے دل میں ذرہ برابر بھی شرک پایا نہ جاتا ہو۔

۳۔ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ: (اِنَّ اللّٰهَ اَعْطَانِي مَسْأَلَةً فَادَّخَرْتُ مسألتي لِلشَّفَاعَةِ الْمُؤْمِنِينَ مِنْ اُمَّتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَفَعَلَ ذٰلِكَ.) (۲)

یعنی رسول خداؐ نے فرمایا ''کہ خداوند عالم نے مجھے ایک درخواست کرنے کی اجازت دی ہے اور فرمایا ہے کہ تم مجھ سے ایک درخواست کرو جس کو میں قبول کروں گا اور میں نے اپنی وہ درخواست قیامت کے دن کے لئے محفوظ کر کے رکھ لی ہے اور وہ یہ کہ میں اپنی امت کی شفاعت کروں اور خداوند عالم نے بھی اس بات کو قبول کیا ہے۔

---

(۱) مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۱۴۹، سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۵۸۱

(۲) امالی شیخ طوسی ص ۳۶

۴. قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ: (اُعْطِيْتُ خَمْسًا لَا يُعْطِيْهَا اَحَدٌ قَبْلِي جُعِلَتْ لِيَ الْاَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا وَنُصِرْتُ بِالرُّعْبِ، وَاُحِلَّ لِيَ الْمَغْنَمُ، وَاُعْطِيْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ، وَاُعْطِيْتُ الشَّفَاعَةَ.) (۱)

یعنی رسول خداؐ نے فرمایا ”مجھے پانچ خصوصیات ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئی ہیں۔

۱۔ زمین کو میرے لئے سجدہ گاہ بنایا گیا ہے اور پاکیزگی کا ذریعہ (یعنی پانی نہ ہونے کی صورت میں اس پر تیمم کرتا ہوں)

۲۔ جنگوں میں دشمن کے دل میں رعب و وحشت ڈال کر میری مدد کی جاتی ہے۔

۳۔ میری لئے غنائم جنگی حلال ہیں: ﴿وَاعْلَمُوا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ.﴾ (۲)

۴۔ مجھے جامع کلمات عطا کئے گئے۔ (۳)

۵۔ مجھے دنیا و مافیہا کے بارے میں قیامت کے دن شفاعت کرنے کا حق دیا گیا ہے۔

اس سلسلے کی روایات اہل سنت اور شیعوں کی طرف سے کثرت سے ذکر

---

(۱) من لا یحضرہ الفقیہ ج ۱ ص ۱۵۵

(۲) سورہ انفال ۸ آیت ۴۱

(۳) کیونکہ قرآن میں تمام اصول و معارف موجود ہیں خدا کی شناخت، انسان کی وجہ خلقت، خدا کی صفات ثبوتیہ و صفات سلبیہ وغیرہ جو باتیں کسی اور نبی کو نہیں بتائی گئیں۔

ہوئی ہیں جو کہ تواتر کی حدوں کو چھو رہی ہیں۔(۱)

لیکن اصل چیز حدیث و روایات کو سمجھنا ہے۔اس طرح کی روایات میں صریح طور پر شفاعت کا وعدہ دیا گیا ہے۔اور ان لوگوں کے لئے بھی جو گناہان کبیرہ کے مرتکب ہو چکے ہوں وعدۂ مغفرت دیا گیا ہے البتہ توبہ کی قبولیت کے وعدے سے یہ گمان نہ ہو کہ انسان میں گناہ کی مزید جرأت پیدا ہو جائے نہیں بلکہ صرف ایک حقیقت کو بیان کیا گیا ہے جو کہ آخرت میں پائی جائے گی جہاں کی بخشش اس دنیا کو شامل ہے اور اللہ کی رحمت کا دروازہ بند نہیں ہوا ہے صرف ایک وعدہ کیا گیا ہے جس کے محقق ہونے کے لئے کچھ شرائط ہیں۔منجملہ ان میں سے گذشتہ گناہوں پر ندامت اور طلب استغفار اور عمل صالح کا انجام دینا ہے البتہ ان سب کے ساتھ ساتھ رحمت الٰہی بھی اس کے شامل حال ہونی چاہئے تو ایسا انسان اس دن نجات پا سکتا ہے۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی عمر کے اس آخری خطبے میں یوں ارشاد فرمایا:

(والذی بعثنی بالحق لا ینجی الا عمل مع رحمة .) (۲)

اس ذات کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا سوائے اس عمل کے جو رحمت الٰہی میں لپٹا ہوا ہو، کوئی چیز بھی باعث نجات نہیں بن سکتی۔

---

(۱) آیۃ اللہ سبحانی کے رسالہ شفاعت میں ص ۱۰۰

(۲) شرح نہج البلاغہ (ابن ابی الحدید) ج ۱۰ ص ۱۸۳

لہٰذا شفاعت کی بہت سی روایات میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ ایسا نہ ہو کہ لوگ شفاعت پر بھروسہ کرتے ہوئے اپنے کو گناہ سے آلودہ کرنے لگیں اور اپنے دینی فرائض کی انجام دہی میں کوتاہی کریں اس لئے کہ بہت دفعہ یہی آلودگی انسان کو شفاعت میں شامل ہونے سے محروم کر دیتی ہے۔

شفاعت پانے والوں کی شرائط:

۱۔ خدا بھی اس بندے سے راضی ہو:

شفاعت کرنے والوں کی شفاعت کے امیدوار کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ اس نے اللہ سبحانہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کر لی ہو اس کا معبود اس سے راضی ہو۔ سورہ انبیاء میں فرشتوں کی شفاعت کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿لَایَشْفَعُونَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضیٰ.﴾(۱)

یعنی فرشتے سوائے اس شخص کے کہ جس سے خدا راضی ہو، کسی اور کی شفاعت نہیں کرتے۔

ایک روایت میں امام جعفر صادقؑ سے نقل ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

(وَاعْلَمُوا اَنَّهُ لَیْسَ یُغْنِي عَنْکُمْ مِنَ اللّٰهِ اَحَد مِنْ خَلْقِهِ شَیْئاً وَلاَمَلَکٌ مُقَرَّبٌ وَلاَنَبِیٌّ مُرْسَلٌ وَلاَمَنْ دُونَ ذٰالِکَ،فَمَنْ سَرَّهُ تَنْفَعُ شَفَاعَةُ الشَّافِعِینَ عِنْدَ اللّٰهِ فَالْیَطْلُبْ اِلَی اللّٰهِ اَنْ یَرْضیٰ عَنْهُ.)(۲)

---

(۱) سورہ انبیاء ۲۱ آیت ۲۸

(۲) اصول کافی ج ۸ ص ۱۱

یعنی جان لو پروردگار عالم کے مقابلے میں نہ کوئی ملک مقرب نہ انبیاء اور نہ کوئی شخص تمہاری شفاعت کرے گا مگر یہ کہ تم نے پروردگار کی رضایت کو حاصل کر لیا ہو تو ایسی صورت میں تم شفاعت کرنے والوں کی شفاعت کو پا لوگے۔

۲۔ اللہ تبارک وتعالی پر کامل ایمان:

من جملہ ان شرائط میں سے جن کا قرآن کریم شفاعت پانے والوں کے لئے قائل ہے وہ اللہ پر کامل ایمان اور اس کی ذات سے ہر قسم کے شرک کو دور کرنا ہے، اسی لئے مشرکین کی قیامت کے دن کی حالت کے بارے میں ہے کہ وہ شفاعت کرنے والوں کی شفاعت کو نہیں پائیں گے ارشاد ہوتا ہے:

﴿فَمَا تَنفَعُهُمْ شَفٰعَةُ الشّٰفِعِيْنَ.﴾ (۱)

یعنی ان مشرکین کے لئے کسی شفاعت کرنے والے کی شفاعت فائدہ مند ثابت نہیں ہوگی۔

اسی طرح سورہ نساء میں شرک کو مغفرت اور شفاعت کے لئے رکاوٹ قرار دیتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ.﴾ (۲)

(۱) سورہ مدثر ۷۴ آیت ۴۸

(۲) سورہ نساء ۴ آیت ۱۱۶

یعنی خداوند عالم شرک کے گناہ کو ہرگز نہیں بخشے گا اور جو شرک سے کمتر گناہ ہے ان میں سے بھی جس کو چاہے گا بخشے گا۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ مغفرت اور شفاعت کو حاصل کرنے کے لئے خدا پر ایمان کامل ہونا ضروری ہے۔

۳۔ کسی پر ظلم نہ کرتا رہا ہو:

شفاعت کی تیسری شرط جس کی وجہ سے شفاعت طلب کرنے والے شفاعت تک نہ پہنچ پائیں گے وہ ان کا ظالم ہونا ہے کیونکہ ظالم اپنے ظلم کے سبب قیامت کے دن شفاعت پانے سے محروم رہے گا۔

جیسا کہ سورہ مؤمن میں ارشاد ہوا:

﴿ما لِلظّالمینَ مِنْ حَمیمٍ وَلاشَفیعٍ یُطاعُ.﴾(۱)

یعنی ظالموں کا قیامت کے دن نہ کوئی دوست ہوگا نہ ان کے بارے میں کسی شفاعت کرنے والے کی شفاعت کو قبول کیا جائے گا۔

۴۔ ضروریات دین کا ترک کرنے والا نہ ہو:

روایات میں آیا ہے کہ اگر کوئی نماز میں سستی اور کاہلی دکھائے اور اس کو اول وقت میں بجا نہ لائے تو وہ ائمہ طاہرین علیہم السلام کی شفاعت کو نہیں پا سکتا ہے۔

---

(۱) سورہ مؤمن ۴۰ آیت ۱۸

امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے آخری وقت میں اپنے اہل وعیال کو اپنے گرد جمع کر کے فرماتے ہیں:

(لاٰ یَنالُ شَفاعَتَنا مَنِ اسْتَخَفَّ بِالصَّلوٰةِ.)(۱)

یعنی وہ شخص ہم اہل بیتؑ کی شفاعت کو ہرگز نہیں پا سکتا جو نماز کو کم اہمیت سمجھتا ہو۔

سورہ مدثر میں کافروں کے جہنم میں جانے کا سبب نماز کا قائم نہ کرنا بتایا گیا ہے:

﴿قالُوا لَمْ نَکُ مِنَ المُصَلّین﴾(۲)

یعنی انھوں نے کہا کہ ہم نماز پڑھنے والوں میں سے نہیں تھے۔

سورۂ ماعون میں ارشاد ہوا:

﴿فَوَیْلٌ لِلْمُصَلّین الذین هُمْ عَنْ صَلاٰتِهِمْ ساهُونَ.﴾(۳)

یعنی تباہی ان نمازیوں کے لئے جو اپنی نمازوں سے غافل رہتے ہیں۔

۵۔ آئمہ معصومینؑ کی ولایت اور رہبری پر کامل یقین رکھتا ہو:

شفاعت کی اقسام

گذشتہ بحثوں سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ شفاعت دو طرح کی پائی جاتی ہے۔

---

(۱) اصول کافی ج ۳ ص ۲۷۰ اور ج ۶ ص ۴۰۱

(۲) سورہ مدثر ۷۴ آیت ۴۳

(۳) سورہ ماعون ۱۰۷ آیت ۴، ۵

۱۔ فضل و رحمت والی شفاعت: یہ وہ شفاعت ہے کہ خداوند عالم نے اپنے بندوں پر اپنے فضل و رحمت کے سبب ان کے لئے شفاعت کے دروازے کو کھول دیا ہے اس طرح کی شفاعت سبب بنتی ہے کہ انسان آخرت کے عذاب سے محفوظ رہے اور اس کے گناہ بخش دیئے جائیں، اس طرح کی شفاعت کے بارے میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

(اِدَّخَرْتُ شَفَاعَتِي لِاَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِي اَمَّا الْمُحْسِنُونَ فَمَا عَلَيْهِمْ مِنْ سَبِيلٍ.)(۱)

یعنی میں نے اپنی امت کے گناہگاروں کے لئے اپنی شفاعت کو محفوظ کر کے رکھا ہوا ہے اور نیک لوگوں کی پکڑ کا تو کوئی امکان ہی نہیں!

۲۔ قیادت والی شفاعت: یہ شفاعت اس کے علاوہ کہ عذاب الٰہی سے نجات اور نیکیوں اور حسنات میں اضافے کا سبب بنتی ہے انسان کے بارگاہ الٰہی میں بلندی و رفعت کا ذریعہ بھی ہے مثال کے طور پر اگر انسان قرآن پر عمل کرے تو قیامت کے دن خود یہ قرآن انسان کی شفاعت کرے گا اور اسے اللہ کے عذاب سے بچائے گا اور جنت میں داخل کروائے گا۔

اسی طرح پیغمبر اسلامؐ نے خود انسانوں کی ہدایت کر کے بہشت کی راہ دکھادی ہے اس قسم کی شفاعت کو ''عملی شفاعت'' بھی کہتے ہیں اور ہم اس قسم کی

---

(۱) سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۵۸۳، مسند احمد بن حنبل ج ۳ ص ۲۱۳

شفاعت کے قائل ہیں کیونکہ جو عالم سبب بنا کہ لوگ اس سے ہدایت یافتہ ہوتے ہوئے روانہ بہشت ہوں تو یہ شفاعتِ رہبری کہلائے گی۔

سورہ نساء میں اس قسم کی شفاعت کی طرف یوں اشارہ ہوا:

﴿مَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَكُنْ لَهُ نَصِيبٌ مِنْهَا وَمَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَكُنْ لَهُ كِفْلٌ مِنْهَا وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُقِيتاً.﴾(۱)

یعنی اگر کسی نے کسی کی ہدایت کی اور اس کو نیک کام کی طرف رہنمائی کی تو اس کے اس نیک کاموں میں اس ہدایت کرنے والے کا بھی حق ہے اور جس نے کسی کی بُرے کام کے انجام دینے میں رہنمائی کی تو اس میں اس رہنمائی کرنے والے کا حق ہے خداوند عالم ہر چیز پر اقتدار رکھنے والا ہے۔

اسی طرح کا ارشاد فرعون کے بارے میں ہے جو مسئلہ شفاعت کی طرف اشارہ کررہا ہے:

﴿يَقْدُمُ قَوْمَهُ يَوْمَ الْقِيامَةِ فَأَوْرَدَهُمُ النَّارَ.﴾(۲)

یعنی قیامت کے دن فرعون اپنے اطرافیوں کو آگے آگے دھکیلتا ہوا جہنم کی طرف لے جارہا ہوگا۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شفاعتِ رہبری نیکی اور بُرائی دونوں میں ممکن ہے۔

---

(۱) سورہ نساء ۴ آیت ۸۵

(۲) سورہ ھود ۱۱ آیت ۹۸

اگر کوئی قائد اس دنیا میں اپنے پیروکاروں کو نیکی کی طرف دعوت دے تو وہ قیامت کے دن بھی ان کا شفیع ہوگا اور ان کو دوزخ کے عذاب سے نجات دلا کر جنت میں داخل کرے گا، لیکن ایسا قائد جو خود دنیا پرست ہو تو وہ اپنے پیروکاروں کو گمراہی کی طرف ہی رہنمائی کرے گا اور پھر آخرت میں بھی ان کو دوزخ میں اپنے ساتھ لے جائے گا۔

اسی بات کی طرف سورہ اسراء میں یوں ارشاد ہوا:

﴿یَوْمَ نَدْعُوا کُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ.﴾(۱)

یعنی جس دن ہم سب کو ان کے پیشواؤں کے ساتھ بلائیں گے۔

(۱) سورہ اسراء ۱۷ آیت ۷۱

فضائل قرآن پر ایک حدیث:

قال امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام

"افضل الذکر القران بہ تشرح الصدور و تستنیر السرائر"(۱)

امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے فرمایا:

سب سے افضل ترین ذکر قرآن ہے جس سے سینے کشادہ ہوتے ہیں اور پوشیدہ راز کھلتے ہیں۔

(۱) غرر الحکم ج ۲ ص ۳۲۵۵

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سولہواں درس:

توسل

بعض لوگوں کا یہ نظریہ ہے کہ غیر خدا سے توسل کرنا خدا کی توحید ربوبی کے ساتھ سازگار نہیں ہے اور کہتے ہیں کہ خدا کی توحید ذاتی کے لئے ضروری ہے کہ غیر خدا سے توسل نہ کیا جائے غیر اللہ سے کسی بھی کام میں مدد طلب نہ کی جائے چاہے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کیوں نہ ہوں اور قرآن بھی اس عقیدے (یعنی غیر خدا سے توسل) کو شرک جانتا ہے جس پر سورہ اسراء کی یہ آیات دلیل ہیں:

﴿قُلِ ادْعُوا الَّذِينَ زَعَمْتُمْ مِنْ دُونِهِ فَلاَ يَمْلِكُونَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلاَ تَحْوِيلاً ☆ أُوْلَئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُونَ يَبْتَغُونَ إِلَى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ وَ يَرْجُونَ رَحْمَتَهُ وَ يَخَافُونَ عَذَابَهُ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوراً ☆﴾ (۱)

---

(۱) سورہ اسراء ۱۷ آیت ۵۶، ۵۷

یعنی (اے رسول ﷺ) تم ان لوگوں سے کہدو کے خدا کے علاوہ جن لوگوں کو تم معبود سمجھتے ہو ان کو (وقت پڑے تو) پکار کے تو دیکھو وہ نہ تو تم سے تمہاری تکلیف ہی دور کر سکتے ہیں اور نہ ہی اس کو بدل سکتے ہیں، یہ لوگ (جن کو اپنا خدا سمجھ کر) عبادت کرتے ہیں وہ خود اپنے پروردگار کی قربت کے ذرایع ڈھونڈتے پھرتے ہیں کہ (دیکھیں) ان میں سے کون زیادہ قربت رکھتا ہے اور اس کی رحمت کی امید رکھتے اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں اس میں شک نہیں کہ تیرے پروردگار کا عذاب ڈرنے کی چیز ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اولاً:

﴿وَابْتَغُوا اِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ.﴾(۱)

والی آیت مکمل طور سے مشکل کو حل کر رہی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے بندوں اور اولیاء کے ذریعے اس تک پہنچنے کی جانب رہنمائی کی گئی ہے۔

دوسرا جواب:

غیر خدا سے توسل اس وقت قابل مذمت ہے اور توحید ربوبی سے تضاد رکھتا ہے کہ جب ہم وسیلہ کو مستقل جانیں لیکن اگر وسیلہ کو اذن خدا سمجھیں جیسا کہ خدا نے انھیں اپنے فیض کا واسطہ قرار دیا ہے تو ایسی صورت میں شرک کا شائبہ بھی نہیں رہے گا تو حید ربوبی کے ساتھ بھی کوئی مشکل باقی نہیں رہے گی

---

(۱) سورہ مائدہ ۵ آیت ۳۵

لہٰذا پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت میں جو شیعہ سنی دونوں نے نقل کی ہے جو قبر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پڑھی جاتی ہے اس کے الفاظ کچھ یوں ہیں:

(اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ قُلْتَ: ﴿وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَلَمُوا اَنْفُسَھُمْ جَاؤُکَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰہَ وَاسْتَغْفَرَ لَھُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰہَ تَوَّاباً رَحِیماً.﴾(۱) وَاِنِّی اَتَیْتُکَ مُسْتَغْفِراً تَائِباً مِنْ ذُنُوبِی وَاِنِّی اَتَوَجَّہُ بِکَ اِلَی اللّٰہِ رَبِّی وَرَبِّکَ لِیَغْفِرَ لِی ذُنُوبِی.)

یعنی اے بارالہا تو ہی نے فرمایا ہے کہ اگر لوگ اپنے اوپر ظلم وستم کر بیٹھیں اور تمہاری طرف آئیں اور تم سے طلب مغفرت کریں اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ان کے لئے طلب مغفرت کریں تو ان کی مغفرت کردی جائے گی اور وہ لوگ اپنے پروردگار کو توبہ کا قبول کرنے والا اور مہربان پائیں گے (اے پیغمبرؐ) اب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں آیا ہوں طلب مغفرت کرتے ہوئے اور اپنے گناہوں سے توبہ کرتے ہوئے اور اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے سے اپنے اور آپ کے پروردگار کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تاکہ میرے گناہ بخش دیئے جائیں۔

ولایت تکوینی اور ولایت تشریعی:

انبیاء واولیاء سے توسل کرنے کی بحثوں کی مناسبت سے ولایت کا مسئلہ پیش آتا ہے جس کے بارے میں اب ہم ایک تحقیق پیش کرتے ہیں۔

(۱) سورہ نساء ۴ آیت ۶۴

ولایت تکوینی اور تشریعی دونوں آئمہ طاہرینؑ کی نسبت ایک ہی معنی رکھتے ہیں یعنی خدا اور موجودات کے درمیان واسطہ ہونا، یعنی پیغمبر ﷺ اور آئمہ طاہرینؑ خدا اور انسانوں کے درمیان واسطہ تکوینی اور واسطہ تشریعی ہیں اور تمام فیوضات تکوینی انھیں ذواتِ مقدسہ کے واسطہ سے انجام پاتے ہیں کیونکہ خداوند عالم اپنے فیوضات کو بلا واسطہ تو مخلوق تک بھیجتا نہیں ہے بلکہ واسطوں کے ذریعے بھیجتا ہے مثلاً ملائکہ کے ذریعے یا آئمہ طاہرینؑ کے ذریعہ اپنی برکات کو موجوداتِ عالم پر نازل کرتا ہے۔ جس طرح خداوند عالم فرشتوں کے بارے میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿فَالْمُدَبِّرَاتِ اَمْراً.﴾(۱)

یعنی ان فرشتوں کی قسم جن کے ہاتھوں میں کائنات کو چلانے کا کام ہے۔

اسی طرح روایات میں ائمہ اطہار بھی حجت خدا اور برکاتِ الٰہی کا منبع کہلاتے ہیں جن کے بغیر اہل زمین کی بقاء ممکن نہیں ہے۔

(لَوْلاَ الْحُجَّةُ لَسَاخَتِ الْاَرْضُ بِاَهْلِهَا وَلَمَاجَلَتْ بِاَهْلِهَا كَمَا يَمُوجُ الْبَحْرُ بِاَهْلِهِ.)(۲)

یعنی اگر زمین حجت خدا سے خالی ہو جائے تو زمین اپنے اہل کے ساتھ پلٹ جائے گی اور دریا کی موجیں اہل زمین کو اپنی گرفت میں لے لیں گی۔

---

(۱) سورہ نازعات ۷۹ آیت ۵

(۲) اصول کافی ج ۱ ص ۱۷۹

امام حسینؑ کی سب سے پہلی زیارتِ مطلقہ میں آیا ہے:

(مَنْ اَرَادَ اللّٰہَ بَدَأَ بِکُمْ،بِکُمْ یُبَیِّنُ اللّٰہُ الْکَذِبَ وَبِکُمْ یُبَاعِدُ اللّٰہُ الزَّمَانَ الْکَلِبَ وَبِکُمْ فَتَحَ اللّٰہُ وَبِکُمْ یَخْتِمُ اللّٰہُ وَ بِکُمْ یُنَزِّلُ اللّٰہُ الْغَیْثَ وَبِکُمْ تُسَبِّحُ الْاَرْضُ الَّتِی تَحْمِلُ اَبْدَانَکُمْ وَتَسْتَقِرُّ جِبَالُھَا عَنْ مَرَاسِیھَا اِرَادَۃُ الرَّبِّ فِی مَقَادِیرِ اُمُورِہٖ.....)(۱)

یعنی جو بھی خدا کو چاہتا ہے آپ سے شروع کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ آپ کے توسط سے جھوٹ کو برملا کرتا ہے، آپ کے ذریعے سے مشکلات دور ہوتی ہیں، کائنات کی ابتداء اور انتہاء آپ ہیں، آپ لوگوں کے ذریعے خداوند عالم نے اپنی رحمت کے دروازے اپنی مخلوق پر کھولے رکھیں ہیں، آپ لوگوں کے ذریعے خدا جس چیز کو چاہے مٹادے اور جس چیز کو چاہے ثابت کر دے، اور آپ ہی لوگوں کے ذریعے ہم شیعوں اور تمام کائنات کے مظلوموں کو ذلت اور رسوائی سے نجات ملتی ہے، آپ لوگوں ہی کے ذریعے خداوند عالم بارانِ رحمت کو آسمان سے اپنے بندوں کے لئے برساتا ہے آپ ہی کے سبب یہ زمین جو آپ کے بدنِ مطہر کو اٹھائے ہوئے ہے خدا کی تسبیح کرتی ہے، آپ ہی کے ذریعے زمین پر موجود پہاڑ اپنی جگہ پر باقی ہیں اور ارادۂ خدا آپ لوگوں کے ذریعے وجود میں آتا ہے.....''

---

(۱) کامل الزیارات باب ۷۹ ص ۱۹۹

سورہ احزاب میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ﴾ (۱)

یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مؤمنین کے نفسوں پر خود ان سے زیادہ حق رکھتے ہیں۔

یہ آیت نہ یہ کہ ولایت تشریعی کو بیان کر رہی ہے بلکہ ولایتِ تکوینی کی طرف بھی اشارہ کر رہی ہے کیونکہ کسی مقام پر پیغمبر اسلامؐ نے حکم فرمایا (مَا مِنْ اٰیَةٍ اِلَّا وَلَهَا ظَهْرٌ وَ بَطْنٌ) یعنی قرآن میں کوئی ایسی آیت نہیں جس کا ایک ظاہر اور ایک باطن نہ ہو لہٰذا اس آیت کے ظاہر سے ولایت تشریعی کا پتہ چلتا ہے اور اس آیت کے باطن سے ولایت تکوینی کا پتہ چلتا ہے۔

لہٰذا اگر ہم کائنات کے نظام کو اسباب و مسببات کے تحت سمجھیں اور ہر معلول (Ehect) کے لئے علت (Cause) کو جانیں جیسا کہ حکمت الٰہی بھی اسی بات کا تقاضا کرتی ہے کہ کوئی بھی امر بغیر اسباب کے وجود میں نہیں آسکتا ہے (اَبَی اللّٰهُ اَنْ یَجْرِی الْاُمُوْرَ اِلَّا بِاَسْبَابِهَا)

اس طرف کیونکہ آئمہ اطہارؑ بھی معرفت اور عبودیت اور کمالات نفسانی کے اعلیٰ درجات کو پہنچے ہوئے ہیں کہ جس مقام تک کوئی بھی نہیں پہنچ سکا ہے اور نہ پہنچ سکتا ہے لہٰذا یہ لوگ بھی رحمت اور برکات الٰہی کے لوگوں تک پہنچنے کا وسیلہ ہیں جن کے ذریعے سے تمام فیوضاتِ الٰہی لوگوں تک پہنچتے ہیں۔

---

(۱) سورہ احزاب ۳۳ آیت ۶

اس کے معنی ہرگز یہ نہیں ہیں کہ نعمات خدا کا ہم تک پہنچنا مستقل طور پر انھیں کی طرف سے ہے بلکہ جو کچھ بھی ہے باذن خدا ہے اور خدا ہی کی طرف سے ہے،

لہٰذا اس طرح کا عقیدہ اللہ کی وحدانیت کے عقیدے کے ساتھ ہرگز تناقض نہیں رکھتا ہے،

لہٰذا خداوند عالم نے اپنے کاموں: خلق کرنا، روزی دینا، زندگی دینا، موت دینا وغیرہ کو اپنی مخلوق میں سے کسی کو بھی اس طرح سے سپرد نہیں کیا کہ وہ اپنی تاثیر میں مکمل طور سے مستقل ہو جائے۔

لہٰذا ان دونوں آیات:

(۱) ﴿قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ مَلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي وُكِّلَ بِكُمْ.﴾(۱)

(۲) ﴿اللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِينَ مَوْتِهَا.﴾(۲)

کے درمیان کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا کیونکہ پہلی آیت میں موت کو ملک الموت سے نسبت دی گئی ہے اور یہ نسبت مستقل نہیں ہے بلکہ درحقیقت موت کا آنا خدا کی طرف سے ہے اور دوسری آیت میں تو خود موت کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف دی گئی ہے۔

---

(۱) سورہ سجدہ ۳۲ آیت ۱۱

(۲) سورہ زمر ۳۹ آیت ۴۲

سورۂ اعراف میں پیغمبر سلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس طرح سے خطاب ہوا:

﴿قُلْ لَّا اَمْلِکُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ﴾(۱)

یعنی کہہ دو (اے پیغمبرؐ) کہ میں اپنی طرف سے نہ اپنے نفس کے فائدے کا مالک ہوں اور نہ ضرر کے دور کرنے پر کوئی قدرت رکھتا ہوں مگر جو خدا چاہے۔

خلاصہ یہ کہ جو بھی چیز اس کائنات میں وجود رکھتی ہے وہ مستقل خدا ہی کی طرف سے وجود پانے والی ہے۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہوتا ہے:

﴿لَهٗ مَقَالِیْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ.﴾(۲)

یعنی آسمان اور زمین کی تمام کنجیاں اسی کے اختیار میں ہیں اور وہ جس کے لئے چاہتا ہے اس کے رزق میں وسعت پیدا کر دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگی پیدا کر دیتا ہے وہ ہر شئے کا خوب جاننے والا ہے۔

دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿اَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا.﴾(۳)

یعنی زمیں قیامت کے دن اپنے پروردگار کے نور سے روشن ہوگی۔

---

(۱) سورہ اعراف ۷ آیت ۱۸۸

(۲) سورہ شوریٰ ۴۲ آیت ۱۲

(۳) سورہ زمر ۳۹ آیت ۶۹

اگر چہ یہ آیت قیامت سے تعلق رکھتی ہے لیکن قیامت ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے یعنی دنیا کی خوبصورتی، چمک دمک ہر طرح کی حرکت خدا ہی کی طرف سے ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ کہنا کہ یہ برکات پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آئمہ اطہار واسطے کے ذریعے سے مخلوقات تک پہنچتی ہیں کوئی حرج نہیں رکھتا۔

جیسا کہ زیارت جامعہ میں پڑھتے ہیں:

(وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُورِکُمْ.) یعنی زمین آپ (اہل بیت علیہم السلام) کے نور سے چمکی ہے۔

مرحوم کلینیؒ کی کتاب اصول کافی میں ایک باب ہے: (أنَّ الائِمَّةَ نُوْرُاللّٰهِ) کے نام سے (یعنی ائمہ علیہم السلام نور خدا ہیں) اور اس میں شیخ کلینیؒ چھ روایات نقل کرتے ہیں۔

ایک روایت امام باقرؑ سے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿فَـآمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِیْ اَنْزَلْنَا﴾ کے ضمن میں نقل ہے کہ آپؑ نے فرمایا: (۱)

(النُّوْرُ وَاللّٰهِ الْاَئِمَّةُ مِنْ آلِ مُحَمَّدٍ اِلٰی یَوْمِ الْقِیامَةِ وَهُمْ وَاللّٰهِ نُوْرُاللّٰهِ الَّذِیْ اَنْزَلَ وَهُمْ وَاللّٰهِ نُوْرُاللّٰهِ فِی السَّمٰوَاتِ وَفِی الْاَرْضِ وَاللّٰهِ یَا اَبَاخَالِدٍ انُوْرُالْاِمَامِ فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْوَرُ مِنَ الشَّمْسِ الْمُضِیْئَةِ بِالنَّهَارِ،وَهُمْ وَاللّٰهِ یُنَوِّرُوْنَ قُلُوْبَ الْمُؤْمِنِیْنَ.) (۲)

---

(۱) سورۂ تغابن ۶۴ آیت ۸

(۲) اصول کافی ج ۱ کتاب الحجہ

یعنی خدا کی قسم اس نور سے مراد نور آلِ محمدؐ ہے جو قیامت تک باقی رہے گا، خدا کی قسم یہی اللہ تعالیٰ کا وہ نور ہیں جسے اس نے بھیجا، خدا کی قسم یہی لوگ نورِ آسمان بھی ہیں اے ابو خالد: امامت کا نور مؤمن کے دل میں اس سورج سے زیادہ تابندگی رکھتا ہے، جو دن میں چمک رہا ہو اور آلِ محمدؐ مؤمنوں کے دلوں کو منور کرتے ہیں۔

اسی طرح کی ایک روایت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اللہ تبارک تعالیٰ کے اس ارشاد:

﴿وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنزِلَ مَعَهُ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ☆﴾(۱)

کے ضمن میں نقل ہوئی ہے: (اَلنّورُ فِي هٰذَا الْمَوضِعِ عَلِيٌّ اَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَؑ وَالاَئِمَّة)(۲)

یعنی اس آیت میں نور سے مراد حضرت علی علیہ السلام اور باقی آئمہ علیہ السلام ہیں

---

(۱) سورہ اعراف ۷ آیت ۱۵۷

(۲) اصول کافی ج ا کتاب الحجۃ

بسم الله الرحمن الرحیم

سترہواں درس:

تبرک کی طلب

یہ بھی ایک طرح کا توسل ہے یعنی خدا سے برکت طلب کرنا لہٰذا اگر انسان ائمہ کی ضریح مقدس کو چھوتا یا ان کا بوسہ لیتا ہے یا اسی طرح سے دوسری اشیاء کو متبرک جانتا ہے تو اس سے اس کا مقصد یہ ہے کہ ان انوار مقدسہ کے ذریعہ برکت کو طلب کرنا ہے تا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے وسیلے سے اس کی طرف رحمت خاص فرمائے جس طرح خداوند عالم قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَابْتَغُوا اِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ.﴾(۱)

روایات اہل سنت میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے آثار سے تبرکات کرنا:

کثیر روایات میں آیا ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو اپنے لعاب دہن یا وضو کے پانی سے متبرک کرتے تھے یا اپنے ہاتھ کو بچوں اور بیماروں کے سر وصورت پر شفا کی غرض سے پھیرتے تھے اور اس طرح ان لوگوں کو شفا بھی مل جاتی تھی لہٰذا تبرک

---

(۱) سورہ مائدہ ۵ آیت ۳۵

کے بارے میں اہم ترین دلیل خود پیغمبر ﷺ کا اور صحابہ و تابعین کا عمل ہے، اب ذرا نمونہ کے طور پر چند مثالوں کی جانب توجہ فرمائیں۔

۱۔ (اِنّ رَسُولَ اللّٰہِ کانَ یُؤتیٰ بِالصّبیانِ فَیَبَرّکُ علَیھِمْ.)(۱)

جناب رسول خدا ﷺ کی گود میں بچے دئے جاتے تھے پس آپ انھیں (نوازش کر کے) برکتوں سے نوازتے تھے۔

۲۔ انس ابن مالک جو کہ پیغمبر اسلام ﷺ کے خادم تھے ایک مرتبہ عبد اللہ بن ابی طلحہ کو پیغمبر ﷺ کے پاس لائے تاکہ آپ ﷺ اس کا تالو اٹھادیں پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے پاس کھجوریں ہیں، اس نے کہا ہاں تو پیغمبر ﷺ نے اس سے کچھ کھجوریں لے کر اپنے منہ میں ڈالیں پھر ان چبائی ہوئی کھجوروں کو اس بچے کے منہ میں رکھ کر اس بچے کا تالو اٹھایا۔(۲)

۳۔ صحیح بخاری میں روایت ہے:

(عَنْ اَبي جُحیفه قال: اَتَیْتُ النّبی وَھُوَ في قُبّةٍ حَمْراءَ مِنْ آدَمَ وَ رَأیْتُ بِلالاً اَخَذَ وَضُوءَ النّبی وَالنّاسُ یَتبادَرُونَ الْوُضُوءَ فَمَنْ اَصابَ شَیْئاً تَمَسّحَ بِهِ وَمَنْ لَمْ یَصِبْ مِنْهُ شَیْئاً اَخَذَ مِنْ بَلَلِ یَدِ صاحِبِهِ.)(۳)

---

(۱) صحیح مسلم ج ا ص ۱۶۴، مسند احمد بن حنبل ج ۶ ص ۲۱۲

(۲) مسند احمد بن حنبل ج ۳ ص ۱۷۵

(۳) صحیح بخاری ج ا ص ۵۹

یعنی ابی جحیفہ کہتے ہیں ''میں نے پیغمبر کو دیکھا کہ آپؐ سرخ رنگ کی سبزیوں کے درمیان بیٹھے ہوئے وضو کر رہے تھے اور میں نے دیکھا کہ بلالؓ ان کے وضو کے پانی کو تبرک کے طور پر جمع کر رہے تھے اور دوسرے لوگ بلال سے تبرک کے طور پر اُس پانی میں سے لے رہے تھے۔

۴۔ صحیح بخاری میں یہ بات بھی منقول ہے:

(اُتِیَ رَسُولُ اللّٰہِ بِوَضُوءٍ فَتَوَضَّأَ فَجَعَلَ النَّاسُ یَأْخُذُونَ مِنْ فَضْلِ وُضُوئِہِ فَیَتَمَسَّحُونَ بِہِ.)(۱)

یعنی جب بھی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وضو کرنے میں مشغول ہوتے تو لوگ ان کے وضو سے بچے ہوئے پانی کو لے کر چہرے اور ہاتھوں پر ملتے تھے۔

۵۔ صلح حدیبہ جو کہ مسلمانوں اور مشرکین کے درمیان ۶ھ کو پیش آئی جس میں مشرکین کے نمائندہ عروۃ بن مسعود ثقفی نے جب قریش والوں کی طرف پلٹ کر خطاب کیا تو کہا کہ میں قیصر و کسریٰ کی طرف اور دوسرے بادشاہوں کی طرف بھی گیا ہوں مگر کسی بھی بادشاہ کے پیروکار محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیروکاروں کی مانند نہیں دیکھے کیونکہ جب محمدؐ وضوء کرتے تھے تو ان کے پیروکار ان کے وضوء سے بچے ہوئے پانی کو بھی برکت کے لئے لے لیا کرتے تھے''(۲)

---

(۱) صحیح بخاری ج ۱ ص ۵۹، مسند احمد بن حنبل ج ۴ ص ۳۰۷

(۲) مسند احمد بن حنبل ج ۴ ص ۳۲۴، سیرۂ ابن ہشام ج ۳ ص ۳۲۸

۶۔ صحیح بخاری اور دیگر کتب اہل سنت میں آیا ہے کہ "لوگ پیغمبر اسلام ﷺ کے اس برتن کو جس میں آپ ﷺ پانی پیا کرتے تھے محترم جانتے تھے اور اس برتن سے اپنے لئے پانی پینے کو تبرک جانتے تھے (۱)

۷۔ پیغمبر ﷺ کے منبر سے تبرک کرنے کے بارے میں روایت نقل ہوئی ہے:

۱۔ (كان عبدُ اللّهِ بن عُمر يَتَبرّكُ بِمَقْعَدِ النّبيّ مِنْ مِنْبرِهِ) (۲)

یعنی عبداللہ بن عمر، عمر بن خطاب کے بیٹے بابرکت سمجھ کر منبر رسول ﷺ پر بیٹھ جایا کرتے تھے یعنی اسے متبرک سمجھتے تھے۔

۲۔ اصحاب پیغمبر ﷺ جب مسجد خالی ہو جاتی تھی تو ایک ہاتھ منبر پر پیغمبر ﷺ کے بیٹھنے کی جگہ پر پھیرتے ہوئے دوسرے ہاتھ سے دعاء کیا کرتے تھے اور خدا سے طلب مغفرت کرتے تھے۔ (۳)

۸۔ امیر المؤمنین علی ابن ابی طالبؑ سے ایک روایت میں آیا ہے:

(قَدِمَ عَلَيْنا اَعْرابيٌّ بَعْدَ ما دَفَنّا رَسُولَ اللّهِ بِثَلاثَةِ اَيّامٍ فَرَمىٰ بِنَفْسِهِ عَلىٰ قَبْرِ النبيِّ وَحَثا مِنْ تُرابِهِ عَلىٰ رَأْسِهِ وَ قالَ: يا رَسُولَ اللّهِ!

---

(۱) صحیح بخاری ج ۷ ص ۱۴۷

(۲) طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۳

(۳) طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۳

قُلْتَ فَسَمِعْنا قَوْلَکَ، وَوَعَیْتَ عَنِ اللّٰهِ سُبْحانَهُ فَوَعَیْنا عَنْکَ، وَکانَ فِیما اُنْزِلَ عَلَیْکَ: ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَلَمُوا اَنْفُسَهُمْ جاؤُکَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوّاباً رَحِیماً﴾ (۱) وَقَدْ ظَلَمْتُ وَجِئْتُکَ تَسْتَغْفِرُ لِي. فَنُودِیَ مِنَ الْقَبْرِ: قَدْ غُفِرَ لَکَ.) (۲)

یعنی پیغمبر اسلام ﷺ کی رحلت اور دفن کے تین دن بعد ایک بدو آیا اور پیغمبر ﷺ کی قبر پر سر رکھ کر قبر کی خاک اپنے سر پر ملتے ہوئے روتا جاتا اور یہ کہتا جاتا کہ یا رسول اللہ ﷺ جو کچھ آپ نے کہا ہم نے سنا، آپ نے حکم الٰہی کو اللہ تعالیٰ سے لیا اور ہم نے آپ ﷺ سے، آپ کے اوپر جو آیات نازل ہوئی ہیں ان میں سے ایک یہ آیت ہے کہ اگر کوئی اپنے اوپر ظلم کرکے اے رسول ﷺ آپ کے پاس آئے اور خدا سے طلب مغفرت کرے تو رسول ﷺ بھی ان کے لئے طلب مغفرت کرتے تو وہ خدا کو توبہ قبول کرنے والا اور مہربان پاتے. اے پیغمبر ﷺ میں نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے اور آپ کے پاس آیا ہوں کہ آپ میرے لئے طلب مغفرت کریں! ناگہاں قبر سے آواز آئی کہ خدا نے تجھے بخش دیا۔

۹. عن داؤد بن ابی صالح: (اَقْبَلَ مروانُ یوماً فَوَجَدَ رَجُلاً واضعاً وَجْهَهُ عَلَی الْقَبْرِ، فَاَخَذَ مروان بِرَقَبَتِهِ ثُمَّ قالَ: هَلْ تَدْرِی ما

---

(۱) سورہ نساء۴، آیت ۶۴، وفاء الوفاء (نورالدین سمہودی) ج۴ ص ۱۳۶۱

(۲) الغدیر ج۵ ص ۱۴۸ ح ۳

تَصْنَع ؟فَاَقْبَلَ عَلَیْهِ فَاِذاً هو ابو ایوب الانصاریؓ،فقال: نعم اِنّی لَمْ آتِ الحجرَ اِنّماجِئْتُ رَسُولَ اللّٰهِ وَلَمْ آتِ الْحَجَرَ(۱)

یعنی داؤد ابن صالح کہتے ہیں مروان ''جو کہ معاویہ کی طرف سے حاکم اور مدینہ کا والی تھا'' ایک دن پیغمبر ﷺ کی مسجد میں آیا تو دیکھا کہ ایک شخص اپنے آپ کو پیغمبر ﷺ کی قبر پر گرائے ہوئے رو رہا ہے مروان نے اس کو قبر سے کھینچ کر ہٹایا اور کہا ''کیا تمہیں معلوم ہے کہ تم کیا کر رہے تھے''یعنی یہ تمہاری حرکت صحیح نہیں تھی،اب جو اس نے مڑ کر اس شخص کی طرف دیکھا تو کیا دیکھتا ہے کہ وہ تو ابو ایوب انصاریؓ (پیغمبر ﷺ کے خاص صحابی) ہیں،ابو ایوب انصاریؓ نے کہا: ہاں جانتا ہوں کہ کیا کر رہا تھا مجھے ان پتھروں سے کوئی سروکار نہیں مجھے اس سے سروکار ہے جو ان پتھروں کے نیچے سوئے ہوئے ہیں۔

اہل سنت فقہاء کی نگاہ میں تبرک کا مسئلہ

احمد بن حنبل جو مذہب حنبلی کے رہبر تھے ان کے بیٹے عبداللہ سے نقل ہے:

(سَأَلْتُ اَبِي عَنِ الرَّجُلِ يَمَسُّ مِنْبَرَ رَسُولِ اللّٰهِ وَيَتَبَرَّكُ بِمَسِّهِ وَيُقَبِّلُهُ وَيَفْعَلُ بِالْقَبْرِ مِثْلَ ذَالِكَ رَجاءَ ثوابَ اللّٰهِ تعالیٰ؟ قال: لَابَأسَ بِهِ.)(۲)

---

(۱) مستدرک نیشاپوری ج۴ ص ۵۱۵، الغدیر ج۵ ص ۱۴۸ ح ۳

(۲) وفاء الوفاء (سمہودی) ج۴ ص ۱۴۰۴

یعنی میں نے اپنے بابا سے اس شخص کے بارے میں پوچھا کہ جو اپنے آپ کو پیغمبرؐ کے منبر سے مس کر رہا تھا اس طرح سے اس سے تبرک کرتا اور اس کو چومتا اور اسی طرح سے پیغمبرؐ کی قبر کے ساتھ کر رہا تھا اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید سے تو میرے بابا نے کہا اس کے اس کام اور فعل میں کوئی قباحت نہیں لہٰذا مذہب حنبلی کے امام کے اس فتوے سے معلوم ہوا کہ پیغمبرؐ کے منبر اور قبر سے تبرک حاصل کرنا کوئی حرج نہیں رکھتا لیکن تعجب ہے وہابی مذہب والوں پر جو کہ اپنے آپ کو احمد بن حنبل کے مذہب کے پیروکار کہتے ہیں، اور پھر بھی اس فعل کو حرام اور شرک کہتے ہیں۔

ہاتھ چومنے کا بیان:

تبرک حاصل کرنے کا ایک ذریعہ بزرگان دینی کے ہاتھ کا چومنا ہے جو کہ باعث برکت شمار ہوتا ہے:

اصول کافی میں ایک باب ''باب تقبیل'' کے عنوان سے ذکر ہوا ہے اور اس سلسلے میں روایات کو بھی ذکر کیا گیا ہے، ہم یہاں پر ان میں سے صرف چند روایات کے ذکر پر اکتفا کریں گے۔

۱۔ عن ابی عبداللہؑ قال (لَا یُقَبَّلُ رَأْسُ اَحَدٍ لَا یَدُهُ اِلَّا یَدُ رَسُولِ اللّٰهِ اَوْ مَنْ اُرِیدَ بِهِ رَسُولُ اللّٰهِ) (۱)

....

(۱) اصول کافی ج ۲ ص ۱۸۵ ح ۱، مصابیح الانوار فی حل المشکلات الاخبار ج ۲ ص ۵۵ ح ۲۱

یعنی امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: کسی کے سر اور ہاتھ کو چومنا صحیح نہیں ہے مگر یہ کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوں یا اہل بیت علیہم السلام اور علماء و سادات جن کے ذریعے سے بھی مقصود خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہوں۔

۲۔ یونس بن یعقوب جن کا شمار بڑے راویوں میں ہوتا ہے وہ کہتے ہیں:

(قُلْتُ لِاَبِي عَبْدِاللّٰهِ: نَاوِلْنِي يَدَكَ اُقَبِّلْهَا فَاَعْطَانِيهَا، فَقُلْتُ: جُعِلْتُ فِدَاكَ رَاْسَكَ فَفَعَلَ فَقَبَّلْتُهُ، فَقُلْتُ: جُعِلْتُ فِدَاكَ، رِجْلَاكَ، فقال: اَقْسَمْتُ، اَقْسَمْتُ، اَقْسَمْتُ وَبَقِيَ شَيْءٌ وَبَقِيَ شَيْءٌ وَبَقِيَ شَيْءٌ.)(۱)

یعنی میں نے امام صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ ذرا اپنا ہاتھ دیں تا کہ میں آپ کے ہاتھوں کو بوسہ دوں، انھوں نے ہاتھ بڑھا دیئے، پھر میں نے کہا میری جان آپ پر فدا ہو، ذرا اپنا سر نیچے کیجئے تا کہ اس پر بوسہ کر دوں انھوں نے سر بھی بڑھا دیا، پھر میں نے کہا کہ میں آپ پر قربان جاؤں ذرا اپنے پیر بھی آگے بڑھائیں تو حضرتؑ نے فرمایا کہ میں تجھے قسم دیتا ہوں کہ پیروں کے چومنے سے باز آجاؤ اور پھر فرمایا: کہ کیا ہاتھ اور سر کے چومنے کے بعد کوئی چیز باقی رہ جاتی ہے شاید امامؑ کا اس کو پیر چومنے سے روکنے کا فلسفہ یہ ہو کہ اس طرح کے کام سے سجدہ کی شباہت سی آتی ہے کیونکہ پیر چومنے کے لئے انسان کو زمین پر جھکنا پڑتا ہے تا کہ پیر کا بوسہ لے۔

---

(۱) اصول کافی ج ۲ ص ۱۸۵ ح ۴

۳۔ دوسرا راوی کہتا ہے:

(دَخَلْتُ عَلیٰ اَبِي عَبْدِاللّٰهِ فَنَاوَلْتُ يَدَهُ فَقَبَّلْتُهَا، فقال: اَمَا! اِنَّهَا لاَ تَصْلَحُ اِلاَّ لِنَبِيٍّ اَوْ وَصِيِّ نَبِيٍّ.)(۱)

یعنی امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے ہاتھوں کا بوسہ لیا تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: آگاہ رہنا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے وصی کے علاوہ کسی اور کے ہاتھ چومنا صحیح نہیں ہیں۔

۴۔ یونس بن ظبیان امام صادقؑ سے نقل کرتے ہیں کہ آپؑ نے تمام مؤمنین اور اپنے شیعوں کو مخاطب کر کے فرمایا:

(اِنَّ لَكُمْ لَنُوراً تُعْرَفُونَ بِهِ فِي الدُّنْيَا، حَتّٰى اَنَّ اَحَدَكُمْ اِذَا لَقِيَ اَخَاهُ قَبَّلَهُ فِي مَوْضِعِ النُّورِ مِنْ جَبْهَتِهِ.)(۲)

یعنی تم شیعوں کے لئے نور ہے جس کے ذریعے تم لوگ پہچانے جاتے ہو، جب بھی تم میں سے ایک بھائی دوسرے بھائی سے ملاقات کرتا ہے تو وہ اس کی پیشانی کو جو کہ اس نور کی جگہ ہے بوسہ لے۔

---

(۱) اصول کافی ج۲ ص ۱۸۵ ح ۳

(۲) اصول کافی ج۲ ص ۱۸۵ ح ۱

فضائل قرآن پر ایک حدیث:

قال امیر المؤ منین علی ابن ابی طالب علیه السلا م :

"من قرأ القران من هذه الامة ثم دخل النار فهو ممن كان يتخذ آيات الله هزوا" (۱)

امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے فرمایا:

اس امت میں سے جو قرآن پڑھنے کے باوجود جہنم میں گیا تو گویا یہ ان افراد میں سے تھا کہ جو آیات الٰہی کو مزاح بناتے ہیں۔

(۱) تفسیر عیاشی ج ۱ ص ۱۲۰

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اٹھارہواں درس:

عالم ذر کی زندگی

اس درس میں بحث ''عالم ذر'' کے بارے میں ہے، اس بارے میں تین سوال ذہن میں آتے ہیں:

سوال ۱ : کیا اس کائنات سے پہلے بھی کوئی عالم ہے جس کو عالم ذر کا نام دیا گیا ہے؟

سوال ۲ : کیا قرآن میں عالم ذر کے بارے میں کوئی اشارہ ملتا ہے؟

سوال ۳ : کیا اس عالم ذر کے بارے میں احادیث بھی موجود ہیں یا نہیں؟

پہلے اور دوسرے سوالوں کا جواب اس مندرجہ ذیل آیت سے واضح ہوجاتا ہے۔

عالم ذر قرآن کریم کی نگاہ میں:

﴿وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِیْ آدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ

وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰی اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰی شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیَامَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِیْنَ ☆ اَوْ تَقُوْلُوْا اِنَّمَا اَشْرَكَ اٰبَاؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّیَّةً مِّنْ بَعْدِهِمْ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ☆ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ وَلَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ☆ (۱)

یعنی اور (اے رسول وہ وقت بھی ان لوگوں کو یاد دلاؤ) جب تمہارے پروردگار نے آدم کی اولاد سے یعنی پشتوں سے (باہر) نکال کر ان کی اولاد سے خود ان کے مقابلے میں اقرار کرالیا (پوچھا) کہ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں تو سب کے سب بولے ہاں ہم اس کے گواہ ہیں (یہ ہم نے اس لئے کیا کہ ایسا نہ ہو) کہیں تم قیامت کے دن بول اٹھو کہ ہم تو اس سے بالکل بے خبر تھے یا یہ کہہ بیٹھو کہ (ہم کیا کریں) ہمارے تو باپ داداؤں ہی نے پہلے شرک کیا تھا اور ہم تو ان کی اولاد تھے (جو) ان کے بعد (دنیا میں) آئے تو کیا ہمیں ان لوگوں کے جرم کی سزا میں ہلاک کرے گا جو پہلے ہی باطل کر چکے، اور ہم اپنی آیات کو اسی طرح تفصیل سے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ لوگ لوٹ آئیں۔

مذکورہ آیات میں تین نکات کی طرف اشارہ ملتا ہے:

۱۔ بنی نوع انسان سے عالم ذر میں اس طرح کے عہد و پیمان لینے کا فلسفہ یہ ہے کہ قیامت کے دن لوگ یہ نہ کہہ سکیں کہ ہم توحید سے غافل تھے

(۱) سورہ اعراف ۷ آیت ۱۷۲ تا ۱۷۴

یا کہیں یہ عذر پیش کریں کہ ہمارے ماں باپ تو کافر تھے ان کی ہم اولاد تھے اور ان کے دین کے علاوہ ہمارے پاس کوئی چارہ کار نہ تھا۔

۲۔ ذُرِّیّت: کلمۂ (ذر) سے لیا گیا ہے جس کے معنی ''بکھرے ہوئے ذروں'' سے کئے گئے ہیں''۔

مثلاً وہ ذرے جو سورج کی شعاع میں دکھائی دیتے ہیں، انھیں ''ذر'' کہا جاتا ہے کیونکہ وہ اتنے چھوٹے ہوتے اور ہوا میں منتشر ہوتے ہیں کہ صرف اسی وقت دکھائی دیتے ہیں جب سورج کی روشنی ان پر پڑتی ہے، ان ذرات کی اسی نزاکت کی بنا پر زمین کی کشش بھی ان کو جذب نہیں کر پاتی ہے۔

۳۔ مذکورہ آیت ایک مسلم حقیقت کی طرف اشارہ کر رہی ہے اور وہ یہ کہ لوگوں کو خود اپنے اوپر گواہ ٹھہرایا جائے۔ یہ مسلمہ حقیت تھی چنانچہ قرآن کریم نے اس بارے میں اتنی تاکید کی تاہم محدثین اور محققین کے یہاں اس بارے میں کئی اقوال ملتے ہیں۔

عالم ذر کے بارے میں شیخ صدوقؒ کا نظریہ:

وہ مرحلہ ہے جس میں خداوند عالم نے انسانوں کو اپنے اوپر گواہ ٹھہرایا یہ ارواح کی خلقت کا مرحلہ ہے جو کہ اجساد کی خلقت سے پہلے کا مرحلہ ہے اس پر مندرجہ ذیل روایات وارد ہوئی ہیں، جو ارواح کے اجساد سے پہلے خلق ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔

۱۔ایک حدیث میں آیا ہے:

(خُلِقَتِ الْاَرْوَاحُ قَبْلَ الْاَجْسَادِ بِالْفَیْ عام.)(۱)

یعنی ارواح، اجساد سے دو ہزار سال پہلے خلق کی گئیں۔

۲۔ایک حدیث میں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

(اِنَّ اَوَّلَ مَا اَبْدَأَ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰی هِیَ النُّفُوسُ الْمُقَدَّسَةُ الْمُطَهَّرَةُ فَاَنْطَقَهَا بِتَوْحِیدِهِ ثُمَّ خَلَقَ بَعْدَ ذَالِکَ سَائِرَ خَلْقِهِ.) (۲)

یعنی سب سے پہلی جو چیز خداوند عالم نے خلق کی وہ نفوس قدسیہ تھے جو وحدانیت خدا کے سلسلے میں گویا ہوئے بعدازاں خدا نے دوسرے موجودات کو خلق کیا۔

۳۔عیاشی نے زرارہ اور حمران، سے امام محمد باقر علیہ السلام سے یہ روایت نقل کی ہے:

(اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ الْخَلْقَ وَهِیَ اَظِلَّةٌ، فَاَرْسَلَ رَسُولَهُ مُحَمَّداً فَمِنْهُمْ مَنْ اٰمَنَ بِهِ وَمِنْهُمْ مَنْ کَذَّبَهُ ثُمَّ بَعَثَهُ فِی الْخَلْقِ الْآخَرِ فَاٰمَنَ بِهِ مَنْ کَانَ اٰمَنَ بِهِ فِی الْاَظِلَّةِ، وَجَحَدَهُ مَنْ کَانَ جَحَدَ بِهِ یَوْمَئِذٍ فَقَالَ: ﴿فَمَا کَانُوا لِیُؤْمِنُوا بِمَا کَذَّبُوا مِنْ قَبْلُ﴾ (۳)

یعنی خدا نے اپنی مخلوقات کو سب سے پہلے ایک سائے کی مانند خلق کیا پھر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھیجا تو مخلوقات میں سے بعض لوگ ان پر ایمان لے آئے اور

---

(۱) بحارالانوار ج ۱۴

(۲) توحید صدوق ص ۴۷

(۳) بحارالانوار ج ۵ ص ۲۵۹ ح ۲۴

بعض نے انکار کیا، پھر خداوند عالم نے پیغمبر کو دوسری خلقت عطا کی تو اب بھی وہی ہوا کہ جو پہلے ایمان لا چکے تھے وہ دوبارہ بھی پیغمبرؐ پر ایمان لے آئے اور جو پہلے انکار کر چکے تھے انھوں نے اب بھی انکار کیا ایسے موقع پر خداوند متعال نے فرمایا:

﴿فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ﴾ (۱)

ترجمہ: جس چیز کو وہ لوگ پہلے جھٹلا چکے تھے اس پر ایمان (نہ لانا تھا) نالائے لہذا مذکورہ روایات سے معلوم ہوا کہ یہ ایمان و کفر کا عہد و پیمان اسی وقت لے لیا گیا تھا جب ارواح کو خلق کیا گیا تھا۔

عالم ذر کے بارے میں مذہب حشویہ کا نظریہ

ان لوگوں کا نظریہ یہ ہے کہ خداوند عالم نے قیامت تک آنے والے بنی نوع انسان کے ذرات کو حضرت آدمؑ کی پشت سے نکال کر فضا میں منتشر کر دیا یہ ذرات صاحب عقل و شعور ہیں اور تکلم کرنے پر قدرت رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو مخاطب کرتے ہوئے ان سے اپنی وحدانیت کا اقرار لیا تھا۔

فخر رازی مذکورہ قول کی نسبت قدیمی علماء مفسرین اور اہل حدیث کی طرف دیتے ہیں اور پھر خود اسی مطلب کی تائید میں کچھ روایات پیش کرتے ہیں۔

۱۔ (اِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ سُئِلَ عَنْ هٰذِهِ الْآيَةِ ﴿وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ ... ﴾ فقال: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ

---

(۱) سورہ یونس ۱۰ آیت ۷۴

يقول: اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ آدَمَ ثُمّ مسح ظَهرَهُ بيمينه فَاسْتَخْرَجَ مِنهُ ذُرِّيَّةً فقال: خَلَقْتُ هٰؤُلاءِ لِلْجَنَّةِ وَ بِعَمَلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ يَعْمَلُونَ.... ثُمّ مَسَحَ ظَهرَهُ فَاسْتَخْرَجَ مِنهُ ذُرِّيَّةً فقال: خَلَقْتُ هٰؤُلاءِ لِلنّارِ وَبِعَمَلِ اَهْلِ النّارِ يَعْمَلُونَ...فقالَ رَجُلٌ: يا رَسُولَ اللّٰهَ! ففيم الْعَمَلُ؟قال: اِنَّ اللّٰهَ اِذا خَلَقَ الْعَبْدَ لِلْجَنَّةِ اسْتَعْمَلَهُ بِعَمَلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ حَتّٰى يَمُوتَ عَلٰى عَمَلٍ مَنْ عمل اَهْلَ الْجَنَّةِ فَيُدْخله الْجَنَّةَ وَاذا خلق العبد للنار، استعمله بعمل اهل النار حتى يموت على عمل من عمل اهل النار فيدخله النار.)(۱)

یعنی حضرت عمر سے جب اس آیت ﴿ وَاِذْاَخَذَرَبُّکَ مِنْ بَنِیٓ آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ .... ﴾ کے بارے میں سوال کیا گیا تو انھوں نے جواب دیا کہ میں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ”خداوند عالم نے حضرت آدمؑ کو خلق کر کے اپنا ہاتھ ان کی کمر پر پھیر کر کچھ ذرے باہر نکالے اور کہا کہ میں نے ان کو جنت کے لئے پیدا کیا ہے اور یہ دنیا میں اہل بہشت کے سے کام انجام دیں گے پھر دوبارہ خداوند عالم نے اپنے ہاتھ کو حضرت آدمؑ کی کمر پر پھیرا اور کچھ ذروں کو باہر نکال کر فرمایا: ان کو میں نے جہنم کے لئے پیدا کیا ہے لہذا یہ لوگ دنیا میں جہنمیوں کے سے کام انجام دیں گے۔

(۱) تفسیر کبیر ج ۱۵ ص ۴۶ تفسیر طبری ج ۹ ص ۷۷، تفسیر درالمنثور ج ۳ ص ۱۴۳

ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ ہم کون سا کام کریں؟ تو آنحضرتؐ نے فرمایا: خداوند عالم نے جب جنت کے لئے لوگوں کو خلق کیا ہے تو وہ ان کو بہشتیوں کے سے عمل میں بھی مشغول کر دے گا یہاں تک کہ جب انھیں موت آجائے گی تو وہ لوگ جنت میں داخل ہوں گے۔

۲۔عمر بن خطاب سے نقل ہے:

(سَاَلْتُ النَّبیَّ عن هذهِ الآية ﴿وَاِذْاَخَذَرَبُّکَ مِنْ بَنِي اٰدَمَ مِنْ ظُهُورِ هِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ ... .﴾فقالَ: خَلَقَ اللّٰهُ آدَمَ بيده و نفخ فيه من روحه ثُمَّ اَجْلَسَهُ فمسح ظهره بيده اليمنى فاخرج ذراً فقال: ذراً ذرأتهم للجنّة.ثم مسح ظهره بيده الأُخرىٰ، و كلتا يديه يمين ، فقال: ذراً ذرأتهم للنار .يعملون فيما شئت من عمل،ثم اختم لهم بأ سوءِ أعمالهم فادخلهم النار ...)(۱)

یعنی میں نے جب پیغمبر ﷺ سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا" خداوند عالم نے آدم کو اپنے ہاتھوں سے بنایا اور اپنی روح کو اس میں پھونکا پھر آدم کو بٹھا کر ان کی کمر کے داہنے حصے کو اپنے ہاتھ سے مس کیا تو سفید رنگ کے جنتی ذرات باہر آئے پھر آدمؑ کی کمر کے بائیں طرف اپنے ہاتھ سے مس کیا تو اس سے سیاہ رنگ کے جہنمی ذرات باہر آئے اور پھر خدا نے فرمایا کہ جس طرح سے میں چاہوں گا یہ لوگ اسی طرح عمل کریں گے۔

(۱)تفسیر طبری ج۹ص۸۷،تفسیر درالمنثور ج۳ص۱۴۳

۳۔ابن عباس سے اس آیت ﴿ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِیْ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِ هِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ .... ﴾ کے ذیل میں روایت ہے۔

(اَنَّ اللّٰهَ تبارک تعالیٰ ضَرَبَ مِنْ منکب اٰدم الْاَیمن فَخَرَجَتْ كُلّ نفسٍ مَخْلُوقَةٍ لِلْجَنَّةِ بَيْضَآءَ نَقِيَّةً فقال: هٰؤُلآءِ اَهْلُ الْجَنَّةِ ثُمّ ضَرَبَ مِنْ منکبه الْاَیسر فخرجت کل نفس مخلوقة للنار سوداء... فقالَ: هٰؤُلآءِ اَهْلَ النَّارِ.)(۱)

یعنی خداوند عالم نے آدم کے داہنے شانے پر مارا تو کچھ رنگ کے ذرات باہر آئے تو خدا نے ان سے کہا کہ تم لوگ جنتی ہو، پھر خدا نے آدم کے بائیں ہاتھ کے شانے پر ہاتھ مارا تو کچھ سیاہ ذرات باہر آئے تو خداوند عالم نے کہا کہ تم لوگ جہنمی ہو۔

۴۔ایک اور روایت میں ابن عباس سے نقل ہے:

(لَمّا خَلَقَ اللّٰهُ اٰدمَ اَخذ ذُرِّيَّتَهُ مِنْ ظَهْرِهِ مِثْلَ الذّرِ فَقَبَضَ قَبْضَتَيْنِ فقال لاصحاب اليمين: ادخلوا الجنة بسلامٍ، وقال للاخرين: ادخلوا النار ولا أُبالي.)(۲)

یعنی جب خداوند عالم نے آدم کو خلق کیا تو ان کی ذریت کو ان کے صلب سے باہر نکالا تو وہ ذرات کی مانند تھے تو خدا نے ان میں سے کچھ کو اپنے دائیں ہاتھ پر لیا اور کچھ کو بائیں ہاتھ پر لے کر کہا کہ جو میرے دائیں ہاتھ پر ہیں ان کو میں نے

---

(۱) تفسیر طبری ج۹ص۷۸، تفسیر الدر المنثور ج۳ص۱۴۳

(۲) تفسیر طبری ج۹ص۷۶

جنت کے لئے خلق کیا ہے اور جو میرے بائیں ہاتھ میں ہیں ان کو میں نے دوزخ کے لئے پیدا کیا ہے اور مجھے کسی بھی کام کے انجام دینے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

عالم ذر کے بارے میں شیعوں کا نظریہ

جیسا کہ مذکورہ روایاتِ اہل سنت سے جو کہ ''عالم ذر'' کے بارے میں نقل ہوئیں، عقیدہ جبر سمجھ میں آتا ہے، لیکن اگر روایات اہل تشیع کو ملاحظہ کیا جائے تو جبر کا مسئلہ پیش نہیں آتا۔

۱۔(عن زرارہ قال: سَئَلْتُ اَمام جعفر صادق و امام محمد باقر ؑ عَنِ الآیة ﴿ وَ اِذْاَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِي اٰدَمَ مِنْ ظُھُورِ ھِمْ ذُرِّیَّتَھُم... ﴾ قال: اَخرَجَ اللّٰه مِنْ ظَھرِ آدمَ ذریّته اِلی یوم القیامة ،فخرجوا وھم کالذّر ، فعرفھم نفسه و اراھم نفسه،ولولا ذالک ما عرف احد ربّه.)(۱)

یعنی زرارہ کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق و امام محمد باقر علیہ السلام سے اس آیت ﴿وَ اِذْاَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِي اٰدَمَ مِنْ ظُھُورِ ھِمْ ذُرِّیَّتَھُم.... ﴾ کے بارے میں پوچھا تو آپؑ نے فرمایا: خدا نے حضرت آدمؑ کے صلب سے قیامت تک آنے والی ذریت کو باہر نکالا ''جو کہ ذرات کی صورت میں تھے'' اور خدا نے اپنے کو انھیں پہچنوایا لہذا اگر ایسا نہ ہوا ہوتا تو کوئی ایک بھی اپنے پروردگار کو نہیں پہچان سکتا تھا۔

---

(۱) تفسیر عیاشی ج ۲ ص ۴۰

۲۔امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے:

(ثبتت المعرفة،و نسوُا الموقف وسیذ کرونه ولولا ذالک لم یدر أحدٌ من خالقه ولا من رازقه...)(۱)

یعنی ان معرفت کی یادداشتوں کی وجہ سے دل اپنی جگہ پر رکے ہوئے ہیں لیکن اس مؤقف کی بقیہ تمام خصوصیات کو بھلا دیا گیا ہے،ایک دن ایسا آئے گا کہ لوگوں کو دوبارہ یاد آئے گا،اور اگر ایسا نہ ہوا ہوتا تو کوئی بھی نہیں سمجھ سکتا تھا کہ اس کا پیدا کرنے والا اور اس کو روزی دینے والا کون ہے۔

عالم ذر کے سلسلے میں نقل ہونے والی روایات کے بارے میں علامہ مجلسیؒ کا نظریہ:

علامہ مجلسیؒ مذکورہ روایات کو عالم ذر کے سلسلے میں نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں ''آپ لوگ جان لیں کہ اس سلسلے کی روایات متشابہات میں سے ہیں لہٰذا اس سلسلے میں شیعہ بزرگوں کے کئی مختلف اقوال ہیں:

۱۔اخباری کہتے ہیں کہ ہم اس طرح کی روایات پر اجمالاً ایمان تو رکھتے ہیں لیکن اس کے حقیقی معنی سے بے خبر ہیں لہٰذا ایسی روایات کو صاحبان روایات ہی کے علم پر چھوڑتے ہیں۔

(۱) کشف الغمہ ج ۲ ص ۴۱۹، بحار الانوار ج ۵ ص ۲۶۰ ح ۶۷

۲۔ بعض دوسرے علما نے اس قسم کی روایات کو تقیہ پر حمل کیا ہے اور ان روایات کو اہل سنت کی روایات کے موافق قرار دیا ہے کیونکہ ائمہ بعض اوقات تقیہ کے طور پر اہل سنت کے طریقے پر بعض مطالب کو ذکر کیا کرتے تھے تاکہ یہ نہ کہا جائے کہ شیعہ اہل سنت کے مخالف عمل کرتے ہیں۔

کیونکہ یہ روایات، اُن روایات کے ساتھ جو انسان کے اس دنیا میں صاحب اختیار ہونے پر دلالت کرتی ہیں، مخالفت رکھتی ہیں۔

۳۔ بعض نے اس طرح کی روایات کو خدا کے علم ازلی سے کنایہ جانا ہے اور کہا ہے کہ اس سے مقصد یہ ہے کہ خداوند عالم نے جب مخلوق کو خلق کیا تو خود ان کے آئندہ پیش آنے والے حالات سے واقف تھا۔

۴۔ بعض نے ان روایات کو استعارہ اور مجاز اور کنایہ قرار دیا ہے انسانی استعداد سے اور کہتے ہیں کہ خداوند عالم یہاں پر یہ فرمانا چاہ رہا ہے کہ انسانوں میں مختلف قسم کی استعداد والے ہیں بعض واقعاً حق طلب ہیں اور بعض حق کے خیر خواہ ہیں ایسے لوگوں کا فطرتاً توحید ہی سے سروکار رہتا ہے اور بعض بُری عادات کے ہیں جو توحید خداوندی کی مخالف سمت پر گامزن رہتے ہیں۔

پھر علامہ مجلسیؒ فرماتے ہیں بہتر یہ ہے کہ ہم اس طرح کے مسائل میں نہ پڑیں کیونکہ ہماری عقلیں اس مطلب کی حقیقت کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔(۱)

---

(۱) بحار الانوار ج ۵ ص ۲۶۰

فضائل قرآن پرایک حدیث:

قال امیر المؤ منین علی بن ابی طالب علیه السلام :

"فی القران نباء ما قبلکم و خبر ما بعدکم و حکم مابینکم"(۱)

امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے فرمایا:

قرآن میں تم سے پہلے زمانے کی بھی خبریں ہیں اور تمہارے بعد کے زمانے کی بھی خبریں ہیں اور تمہارے درمیان کے مسائل کا حکم بھی موجود ہے۔

(۱) غرر الحکم ج ۴ ص ۵۶۲۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اُنّیسواں درس :

عالم ذر کا انکار کرنے والوں کی دلیلیں

بعض مفسرین نے جو روایات عالم ذر کے بارے میں پیش کی ہیں وہ اس آیۂ کریمہ:

﴿ وَ اِذْاَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِي اٰدَمَ مِنْ ظُهُورِ هِمْ ذُرِّيَّتَهُم ..﴾(۱)

ظاہری معنی کے برخلاف ہیں یہ حضرات ان کے رد پر چار دلیلیں پیش کرتے ہیں۔

۱۔خداوند عالم نے اس آیت میں ''بنی آدم'' نہیں کہا:

اسی طرح ﴿مِنْ ظُهُورِهِمْ﴾ کہا یعنی ان کی پشتوں سے ﴿مِنْ ظُهُورِهٖ﴾ یعنی اس کی پشت سے نہیں، کہا اور پھر آخر میں ﴿مِنْ ظُهُورِهِمْ﴾ کہا ﴿ذُرِّيَّتِه﴾ نہیں کہا، ان اشارات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ حضرت آدمؑ کے بارے میں نہیں ہے بلکہ یہ ایک کام تھا جو آدمؑ کی نسل میں انجام پایا۔

(۱) سورہ اعراف ۷ آیت ۱۷۲

مذکورہ نظریہ شیخ مفیدؒ کا ہے اور وہ فرماتے ہیں کہ اگر بالفرض مان بھی لیا جائے کہ عالم ذر وجود رکھتا ہے تب بھی یہ آیت اس عالم ذر پر دلالت نہیں کر رہی ہے اور اس عالم ذر کے سلسلے میں جو روایات نقل کی گئی ہیں وہ جعلی ہیں اور ان تناسخی گروہ کے موافق ہیں جو اس عقیدے کے حامل ہیں کہ ارواح مختلف اجساد میں ظہور پزیر ہوتی ہیں اور قیامت سے مراد روح کا ایک جسد سے نکل کر دوسرے جسد میں داخل ہونے کا نام ہے اور پھر اس جسم کو اس کے کئے پر سزا کا ملنا ہے''۔(۱)

۲۔اس آیت کا معنی:

﴿اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیَامَةِ اِنَّا کُنَّا عَنْ هٰذَا غَافِلِیْنَ﴾(۲) اور ﴿لِئَلَّا تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیَامَةِ...﴾

یہ ہے کہ وحدانیت الٰہی کا گواہی دلوانا اور اقرار لینا اس لئے ہے کہ قیامت کے دن کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ ہم تو دنیا میں اس مسئلے سے بے خبر تھے. جب کہ کوئی بھی انسان جس سے اس کے عالم ذر میں اس سے گواہی لے لی گئی ہو یا نہ لی گئی ہو جب کہ یہ آیت کہہ رہی ہے کہ ہم نے ایسا کیا تا کہ بروز قیامت وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ ہم تو اس مسئلے سے غافل تھے. لہٰذا اگر روایات عالم ذر کے ثابت کرنے کے بارے میں صحیح ہوں تو نقض غرض لازم آتا ہے اور آیت کے ساتھ موافق نہیں ہیں۔

---

(۱) المسائل السرویۃ ج ۷ ص ۴۶

(۲) سورہ اعراف ۷ آیت ۱۷۲

۳۔ عالم ذر والی آیت کی تفسیر اس آیہ کے ذریعے کی گئی ہے:

﴿اَوْ تقولوا اِنّما اشرک آباؤنا مِنْ قبلُ وَ کُنّا ذریّةً مِنْ بعدِهم اَفتُهلِکُنا بِما فعل المُبطِلون﴾(۱)

اختلاف پیش آتا ہے کیونکہ ایسی صورت میں اس ذریت کے لئے ایسے مشرک باپ بھی فرض کرنے پڑیں گے جو تاریخ بشریت میں بُری راہ پر چلے ہوں جب کہ ان سب کا عالم ذر میں کوئی باپ ہی نہیں تھا کہ اس کا مشرک ہونا لازم آتا۔

۴۔ بعض محققین نے اس عالم ذر والی آیت کے ذیل میں موجود تعبیرات کو فطرت انسانی سے کنایہ کے طور پر استعمال کیا ہے اور پھر اس سلسلے کی گفت وشنید کو زبان حال سے تعبیر کیا ہے:

یعنی انسان اپنے ابتدائی مرحلے ہی سے جب سے عدم سے وجود میں آیا اور خود کو پہچانا خداشناس تھا جیسا کہ آیت نے اس بات کی طرف اشارہ کیا:

﴿فِطْرَةَ اللّٰهِ الّتی فطرَالنّاسَ علَیها لا تبدیلَ الخلْقِ اللّٰهِ﴾(۲)

اسی طرح یہ روایت (کل مولودٍ یولد علی الفطرة)(۳)

اسی آیت پر دلالت کر رہی ہے۔ لہٰذا اس آیت

---

(۱) سورہ اعراف ۷ آیت ۱۷۳

(۲) سورہ روم ۳۰ آیت ۳۰

(۳) بحارالانوار ج ۱۲ ص ۱۳ ح ۵

﴿اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلٰى﴾ (۱)

میں گفت وشنید سے مراد زبان حال ہے اور اس طرح کی تعبیرات قرآن میں بہت زیادہ ہیں۔

﴿ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَآءِ وَ هِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا قَالَتَا اَتَيْنَا طَائِعِيْنَ﴾ (۲)

یعنی پھر آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور وہ (اس وقت) دھواں (کا سا) تھا تو اس نے اس سے اور زمین سے فرمایا تم دونوں آؤ، خوشی سے یا نہ چاہتے ہوئے، تو دونوں نے کہا ہم خوشی خوشی آتے ہیں۔

اس مذکورہ آیت میں ﴿فقال لها﴾ والے جملے سے مراد خداوند عالم کی گفتگو مراد ہے اور ﴿قالتا﴾ والے جملے سے زبان حال مراد ہے، یعنی خدا کا ارادہ اس بات پر طے پایا کہ زمین وآسمان اس کی اطاعت میں آجائیں تو ایسا ہی ہوا۔

﴿مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ﴾ (۳)

یعنی مشرکین کو ہرگز اس بات کا حق نہیں ہے کہ وہ مسلمانوں کی عبادت گاہوں کی تعمیر یا ان کی سرپرستی کریں اس حالت میں کہ اپنے کفر پر بھی گواہی دیتے ہوں۔

---

(۱) اعراف آیت ۱۷۲

(۲) سورۂ فصلت آیت ۱۱

(۳) سورہ توبہ آیت ۱۷

اس آیت میں بھی مشرکین کی گواہی سے زبان حال مراد ہے یعنی ان کی حالت ان کے کفر پر باقی رہنے کی گواہی دے رہی ہے۔

﴿وَاٰتٰىكُمْ مِنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ﴾(۱)

یعنی خداوندعالم سے جو کچھ تم لوگوں نے چاہا اس نے عطا کیا۔

یعنی انسانوں کی فطرت میں اس طرح کا تقاضا موجود ہے کہ وہ اپنے خدا کی جانب سے نعمت زندگی اور عقل وعلم وغیرہ پائیں اور خداوندعالم نے بھی انسانی طبیعت کے تقاضوں کے تحت نعمات عطا کیں کیونکہ جب تک کسی چیز کا تقاضا نہ ہوتو اس کو پیش کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

لہٰذا اس بناپر مورد بحث آیت میں گفت وشنید سے مراد زبان حال ہے یعنی خداوندعالم نے نسل بشریت سے اس طرح کی گفت وشنید کی ہے اور پھر اسی کی درخواست کے تحت توحید کو اس کی فطرت میں رکھ دیا ہے اور اس کی ظاہری حالت اس وحدانیت پر گواہ ہے، مذکورہ رائے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے پچاس سال بعد تابعین کے درمیان میں مشہور ہوئی۔

حسن بصری کہتے ہیں:

(اِنّ الْمرادَ بِالْاِ شهادِ اِنّما هُوَ فَطْرُهُم عَلَى التّوحيدِ)

یعنی لوگوں سے گواہی لینے سے مراد ان کی فطرت میں وحدانیت کو پرورش دینا ہے۔

---

(۲) سورہ ابراہیم ۱۴ آیت ۳۴

سید مرتضیؒ اس بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

(قَدْ ظَنَّ بعض مَنْ لاَ بَصیرة وَلا فطنة عِنْدَہُ تأْویلُ ھٰذِہِ الآیة :

﴿اِنَّ اللّٰہَ تعالیٰ اِسْتخْرَجَ مِنْ ظَھْرِ آدَمَ جمیعَ ذُرِّیَتِہِ وَھُمْ مِنْ خَلْقِ ذَرٍّوقَرَّرھُمْ بِمَعْرِفَتِہِ وَاَشْھَدَھُمْ عَلیٰ اَنْفُسِھِمْ﴾ وھذا التأویل مع اَنَّ الْعَقْلَ یُبْطِلُہُ وَمِمَّا یشھد ظاھرُ الْقرآنِ بِخلافِہِ،لِاَنَّ اللّٰہ تعالیٰ قال ﴿وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِي آدَمَ﴾ ولَمْ یَقُلْ مِنْ آدَمَ وَقالَ ﴿مِنْ ظُھُورِھِمْ﴾ ولم یَقُلْ: ﴿مِنْ ظَھْرِہِ﴾ وقال ﴿ذُرِّیَّتَھُمْ﴾ ولَمْ یَقُلْ ذریتہ.)(۱)

یعنی بعض وہ لوگ جو بصارت اور ذکاوت اور ذوق سلیم نہیں رکھتے وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ اس آیت کا معنی یہ ہے کہ خداوند عالم نے ذریت آدمؑ کو ان کی پشت سے نکالا اس حالت میں کہ وہ لوگ سب عالم ذر میں تھے اور پھر خدا نے اپنی معرفت کو ان پر مقرر کیا! اس طرح کی تفسیر وتاویل مخالف عقل ہے اور عقل اس چیز کو باطل اور محال جانتی ہے اور آیت کا ظاہری معنی بھی اس مطلب کے برخلاف گواہی دے رہا ہے کیونکہ خداوند عالم نے ''بنی آدم'' فرمایا، صرف ''آدم'' نہیں کہا، اسی طرح ﴿مِنْ ظُھُورِھِمْ﴾ کہا صرف ﴿ظَھْرِہِ﴾ نہیں کہا، اسی طرح فرمایا ﴿ذُرِّیَّتَھُمْ﴾ صرف ﴿ذریتہ﴾ نہیں کہا۔

(۱) امالی سید مرتضیؒ ج۱ ص۲۸

شیخ مفیدؒ بھی ذریت آدم کے نکالنے اور پھر گواہ قرار دینے کو قبول کرتے ہیں مگر کہتے ہیں کہ یہ سب صرف اس لئے نہیں تھا کہ خدا اپنی وحدانیت کا ان سے اقرار لے بلکہ اس لئے تھا کہ حضرت آدمؑ کے لئے واضح کر دیا جائے کہ تمہاری نسل بہت زیادہ ہے وہ آیت کی گفت وشنید کو بھی زبان حال قرار دیتے ہیں۔

شیخ مفیدؒ کہتے ہیں:

حقیقت مطلب یہ ہے کہ خداوند عالم نے آدمؑ کی نسل کو ان کی کمر سے نکالا جو کہ چھوٹے چھوٹے ذرات کی صورت میں تھے یہاں تک کے انھوں نے موجودہ تمام فضا کو پر کر دیا، ان میں سے بعض چمک رہے تھے اور بعض سیاہ و تاریک تھے اور بعض کی چمک اور سیاہی برابر تھی، حضرت آدمؑ ان کی کثرت کو دیکھ کر تعجب سے پوچھتے ہیں یہ سب کیا ہیں؟ اللہ تبارک تعالیٰ نے ان کو جواب دیا یہ سب تمہاری اولادیں ہیں، حضرت آدمؑ نے دوبارہ سوال کیا کہ ان میں یہ چمک اور تاریکی کیسی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ان کو جواب دیا کہ جو، ان میں چمک رہے ہیں یہ میرے اولیاء و جانشین ہوں گے زمین پر اور جو سیاہ ہیں وہ کافر ہوں گے اور جن میں چمک اور سیاہی کو مساوی دیکھ رہے ہو یہ میرے گناہگار بندے ہیں۔

لہٰذا جو روایات کے لحاظ سے متفق علیہ بات ہے وہ اسی حد تک کی ہے اس سے زیادہ یہ کہنا کہ ان سے اقرار لیا گیا اور انھوں نے اقرار کیا یہ سب اضافی باتیں

ہیں اور اس طرح سے حق و باطل کو آپس میں گویا مخلوط کرنا ہے اور آیہ قرآنی اس بات سے زیادہ پر دلالت نہیں کر رہی ہے کہ خدا نے اپنی حجت کو اولاد آدمؑ پر تمام کیا اور ان کی فطرت میں عہد و پیمان کو ودیعت کر دیا ہے خدا شناسی کے دلائل کے ذریعے یہ سب باتیں واضح ہو جاتی ہیں جن کو مجازاً اور استعارہ کے طور پر اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے۔(۱)

شیخ طوسیؒ اپنی تفسیر التبیان میں یوں تحریر کرتے ہیں:

(فَاَمَّا ماروی اِنَّ اللّٰہَ تعالیٰ اَخرَجَ ذریۃ آدم مِن ظَھرِہِ وَاَشھَدَھُمْ علی اَنفُسِھِم و ھُمْ کالذر ،فَاِنَّ ذالک غیر جائزٍ لاَنَّ الاطفال فضلاً عمن ھو کالذر لا حجۃ علیھم و لا یُحسَنُ خطابھم بما یتعلق بالتکلیف)(۲)

یعنی جو روایات اس بات کو بیان کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کے صلب سے ان کی ذریت کو نکالا اور ان سے اپنی وحدانیت کی گواہی لی اس طرح کی بات ممکن نہیں ہے اس لئے کہ ان ذرات پر نہ کوئی تکلیف شرعی عائد ہوتی ہے اور نہ کوئی حجت تمام ہوتی ہے اور نہ ان کو ایسی چیز ہی کی طرف بلانا صحیح ہے جس چیز پر کوئی ذمہ داری عائد ہوتی ہو۔

---

(۱) المسائل السرویہ ج ۷ ص ۴۷

(۲) تفسیر تبیان ج ۵ ص ۲۸

مزید شیخ طوسیؒ لکھتے ہیں:

(ثم انّ الآیة تدلّ علیٰ خلافِ ما قالوه: لأنّ اللّٰه تعالیٰ قال ﴿وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِي آدَمَ﴾ وقال: ﴿مِنْ ظُهُورِهِمْ﴾ ولم يقل: ﴿من ظهره﴾ وقال ﴿ذُرِّيَّتَهُمْ﴾ ولم يقل ﴿ذريته﴾ ثمّ قال ﴿او تقولوا انّما اشرک اٰباؤُنا من قبل ولنا ذرية من بعد هم . . . ﴾ فَاَخبر اِنّ هذه الذُّرية قد کان قبلهم اٰباءٌ مُبطلُونَ وَکانوا هم بعدهم. علی اَنَّ راوی هذا الخبر سليمان بن بشار الجهنی، وَقيل مسلم بن بزار عن عمر بن الخطاب وقال يحي بن معين: سليمان هذا لا يدری اين هو، و ايضاً فتعليل الاية يفسد ماقالوه، لانه قال: فعلتُ هذا لئلاّ يقولوا يوم القيامة اِنّا کنّا عَن هذا غافلين والعقلاء اليوم فی دار الدنيا عَنْ ذالک غافلون)(۱)

یعنی لوگوں نے جو کچھ کہا ہے آیت اس بات کے برعکس کہہ رہی ہے کیونکہ آیت میں ''بنی آدم'' کا ذکر ہے صرف ''آدم'' کا ذکر نہیں ہوا اور پھر آیت میں ''ظهورهم'' آیا ہے ''ظهره'' نہیں آیا اور ''ذريتهم'' آیا ہے ''ذريته'' نہیں آیا پھر خداوند عالم نے فرمایا ''وہ لوگ یہ نہ کہیں کہ مشرک تو ہمارے ماں باپ تھے ہم تو ان کی اولاد ہیں'' لہٰذا خداوند عالم نے اس جملہ کے ذریعے انھیں اطلاع دیدی ہے

---

(۱) تفسیر تبیان ج ۵ ص ۲۸

کہ ان سے پہلے بھی ان کے اجداد کی ذریت مشرک ہی تھے .اس کے علاوہ ایک روایت بھی ہے جس کے راوی سلیمان کو علم رجال نے ضعیف جانا ہے اور آیت کی علت بھی کہے گئے مطالب کو باطل قرار دے رہی ہے کیونکہ خداوند عالم اپنے کام کی علت اور فلسفہ کو بیان کرتے ہوئے فرمارہا ہے کہ میں نے یہ کام کیا تا کہ یہ لوگ بروز قیامت یہ نہ کہیں کہ ہم تو غافل تھے حالانکہ عقلاء عالم اس دنیا میں تو اس مسئلے سے غافل ہیں۔

اسی طرح ابن شہر آشوب نے اپنی کتاب ''متشابہات القرآن'' میں بھی عالم ذر کا شدید انکار کیا ہے اور مذکورہ آیت کے معنی توحید فطری کے کئے ہیں''(۱)

خلاصہ مطلب یہ ہوا کہ عالم ذر کے منکرین کی دلیل یہ ہوئی کے خدا کے کام اس کی مصلحت اور حکمت کے تحت اور اثر دار ہوتے ہیں جب کہ ہم عالم ذر کے تصور کرنے کے بارے میں کسی قسم کی کوئی مصلحت اور حکمت اور اثر کو نہیں پاتے ہیں اس مطلب کے علاوہ خود وہ روایات بھی جو عالم ذر کو ثابت کر رہی ہیں وہ ظاہر آیہ کے مخالف ہیں اور سند کے لحاظ سے بھی ضعیف ہیں۔

مؤلف کتاب کا نظریہ: یہ ہے کہ کسی قسم کا عالم ذر وجود نہیں رکھتا ہے اور یہ جو آیت ہے:

﴿وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِي آدَمَ ...﴾ یہ وہی فطرت توحیدی کو ذکر

---

(۱) متشابہات القرآن (ابن شہر آشوب) ص ۸

کر رہی ہے کہ تمام بنی نوع انسان فطرت توحیدی کے تحت پیدا کئے گئے ہیں؛ خداوند عالم نے انسانوں کو قوت واستعداد عطا کی تا کہ توحید کی حقیقت کو سمجھ سکیں تا کہ سچے دین کو اچھے طریقے سے سمجھ سکیں اگر ایسا نہ ہوتا تو ہر طرح کی تعلیم وتربیت اس راہ میں فاقد الاثر ہوتیں۔

کیونکہ: جب تک معشوق کی طرف سے کشش نہ ہو تو بیچارے عاشق کی کوشش کسی مقام تلک نہیں پہنچ سکتی ہے۔

عالم ذر کے اثبات یا نفی کے سلسلے میں اور مذکورہ آیت کی تفسیر کے سلسلے میں گویا خلاصہ مطلب یہ تین باتیں ہوئیں۔

۱۔ عالم ذر کے ہونے سے کیا فائدہ حاصل ہوتا ہے؟ اگر اس سے ہدف اقرار لینا اور اعتراف کرانا ہے تو بغیر دلیل و برہان کے بھی انجام پا سکتا تھا، خود اسی دنیا میں بھی اس کی امکانی صورت ہو سکتی ہے اور اگر صرف وحدانیت خدا پر دلیل و برہان مقصود ہے تو وہ بھی اسی دنیا میں ہو سکتا تھا۔

۲۔ آیت میں اس بات کی وضاحت ہو چکی ہے کہ اصل ہدف توحید خداوندی سے غافل نہ ہونا ہے اور صرف عالم ذر کا مسئلہ ہوتا تو اس سے غفلت حاصل ہونے کی صورت میں ہدف حاصل نہیں ہونا چاہئے تھا۔

۳۔ مذکورہ مطالب جو ''عالم ذر'' کے اثبات میں بیان کئے گئے وہ آیت کے ظاہری معنی سے بھی تضاد رکھتے ہیں یا کم از کم اس آیت کے ذریعے عالم ذر کے وجود پر گواہ کے طور پر قرار نہیں دیا جا سکتا۔

فضائل قرآن پر ایک حدیث:

قال امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام:

”البیت الذی یقرا فیہ القران ،ویذکر اللہ عزوجل فیہ تکثر برکتہ و تحضرہ الملائکۃ و تھجرہ الشیاطین ویضیء لاھل السماء کما یضیء الکواکب لاھل الارض وان البیت الذی لا یقرافیہ القران ولا یذکر اللہ فیہ تقل برکتہ و تھجرہ الملائکۃ وتحجرہ الشیاطین “(۱)

امیر المؤمنین علی علیہ السلام نے فرمایا:

جس گھر میں قرآن پڑھا جاتا ہے اور خدا کو یاد رکھا جاتا ہے اس میں برکتیں زیادہ نازل ہوتی ہیں اور فرشتے اس گھر میں آتے ہیں اور شیاطین اس گھر سے دور ہو جاتے ہیں اور ایسا گھر اہل آسمان کے لئے ایسی روشنی دیتا ہے جیسا کہ ستارے اہل زمین کے لئے روشنی دیتے ہیں اور وہ گھر جس میں قرآن نہ پڑھا جاتا ہو اور یاد خدا نہ کی جاتی ہو تو اس گھر سے برکت اٹھ جاتی ہے اور ملائکہ بھی اس گھر سے دور ہو جاتے ہیں اور شیاطین اس گھر میں داخل ہو جاتے ہیں۔

....

اصول کافی ج ۲ ص ۶۱۰ ،اعلام الدین ص ۱۰۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیسواں درس:

اعمال کا مجسم ہونا

ایک اور مسئلہ جو قرآن کریم اور روایات معصومینؑ سے ثابت ہوتا ہے وہ اعمال کا مجسم ہونا ہے، یعنی بروز قیامت حیات جاویدانی پانے کے بعد اعمال اور کردار بھی اس کے سامنے مجسم ہوکر حاضر ہوں گے اور انسان اپنے اچھے وبُرے اعمال کو مجسم صورت میں ملاحظہ کرے گا۔

عمل اس دنیا میں ایک عارضی چیز اور ایک حرکت ہے جو بروز قیامت ایک ذاتی وجوہری چیز میں تبدیل ہوجائے گا لہٰذا یہ سوال ذہن میں آتا ہے کہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ عرض مادہ میں اور جسم جوہر میں تبدیل ہوجائے؟

لہٰذا بعض مفسرین نے اعمال کے مجسم ہونے کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ ہرگز یہ بات ممکن نہیں ہے، چاہے اس دنیا میں ہو یا اخروی دنیا میں، کیونکہ عوارض جواہر میں تبدیل نہیں ہوسکتے ہیں۔

کیونکہ یہ لوگ اس زندگی کو اُخروی زندگی سے مقابلہ کرتے ہیں اسی لئے

اس طرح کے نظریہ کو پیش کرتے ہیں اور ظاہر قرآن کی بھی تاویل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ: اعمال، کے مجسم ہونے اور ظاہر ہونے سے مراد اعمال کی جزا کا ظاہر ہونا اور مشاہدہ کرنا ہے نہ کے خود اعمال کا لیکن جس بات پر آیات قرآنی دلالت کر رہی ہیں وہ خود اعمال کا، مجسم ہو کر سامنے آنا ہے اور جب آیت کا ظاہر کسی مطلب پر دلالت کرے تو اس آیت کی تاویل یا رد کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی ہے اگر چہ کبھی کبھار ظاہر آیہ کی بھی تاویل کی جاتی ہے مگر یہ اس وقت ہے جب کسی قطعی و محکم اصول سے ظاہر آیہ ٹکرا رہی ہو۔

لہٰذا ہم اپنی عقلوں کو ظواہر کتاب پر حاکم اس وقت جانتے ہیں جب سوائے اس کے کوئی دوسرا چارہ ہی نہ ہو صرف یہ بات کہ عرض جوہر میں تبدیل ہونے کی قابلیت نہیں رکھتا لہٰذا آخرت میں انسانوں کے اعمال ان کے سامنے مجسم ہو کر کے سامنے نہیں آسکتے، یہ کوئی محکم دلیل نہیں ہے۔

آخرت میں انسانوں کو سزاء ملنے کا فلسفہ

منجملہ سوالوں میں سے جو اس بارے میں ہوتے ہیں ایک یہ ہے کہ کیوں خداوند عالم بروز قیامت انسانوں کو سزا دے گا؟

جواب: اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کو سزاء دینا تین صورتوں سے خالی نہیں ہے۔

۱۔ شفقت اور قصاص

اللہ تعالیٰ انسانوں پر شفقت کرتے ہوئے اور قصاص کے طور پر ان کو عذاب دیتا ہے مثلاً اگر کسی شخص نے کسی کو طمانچہ مارا تو طمانچہ کھانے والا بھی جب اپنے بدلے میں اس کے طمانچہ مار لیتا ہے تو اس کا دل ٹھنڈا ہو جاتا ہے،

البتہ اس طرح کی بات تو خداوند عالم کی طرف سے دی جانے والی سزاء میں نہیں ہے کیونکہ خدا کی صفات میں سے ایک صفت ''غفور'' ہے جہاں تک ممکن ہوتا ہے اللہ تعالیٰ انسانوں سے عفو و بخشش سے کام لیتا ہے اور یہ بات انتقام لینے کے ساتھ سازگار نہیں ہے۔

۲۔ گناہ کا گناہگار کے ذریعہ تکرار نہ ہونا

دوسرا ہدف اللہ تعالیٰ کی طرف سے عقاب ہونے کا یہ ہے کہ گناہ گار شخص دوبارہ گناہ کا مرتکب نہ ہو اور یہ ہدف اس دنیا میں ممکن ہے،

مثلاً اگر کسی شخص نے شراب پی تو ۸۰ کوڑے اس کو مارے جاتے ہیں تا کہ وہ دوبارہ شراب نہ پیئے لیکن آخرت میں کیونکہ صرف حساب و کتاب ہی کا کام ہوگا لہٰذا وہاں ایسا ممکن نہیں لہٰذا یہ بات بھی آخرت کی سزا کا سبب ہو سکتی ہے۔

۳۔ دوسروں کے لئے عبرت

تیسرا ہدف جو آخرت کے عذاب کا بیان کیا جا سکتا ہے وہ یہ کہ دوسروں کو عبرت دلانا ہے یعنی یوں کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کچھ انسانوں کو کچھ دوسرے انسانوں کی عبرت کے لئے سزا دیتا ہے یہ والی صورت بھی پہلی والی صورتوں کی مانند اسی دنیا

میں ممکن ہے لیکن آخرت میں یہ ممکن نہیں۔

لہذا آخرت کی سزائیں نہ انتقام حاصل کرنے کے لئے ہوں گی نہ گناہ کو تکرار سے روکنے کے لئے ہوں گی اور نہ دوسروں کے لئے عبرت کے طور پر ہوں گی،

اسی ضمن میں اعمال کے مجسم ہونے کا مسئلہ بھی واضح ہوجاتا ہے یعنی آخرت کی سزا کا اثر ذاتی ہے جو کہ انسان کے دنیاوی عمل سے تعلق رکھتا ہے،

مثلاً ڈاکٹر مریض سے کہتا ہے کہ اگر کھٹا انار کھاؤ گے تو فلاں بیماری میں مبتلا ہو جاؤ گے تو ایسی صورت میں اگر مریض ڈاکٹر کے کہنے پر عمل نہ کرے اور کھٹا انار کھالے اور پھر اس مرض میں بھی مبتلا ہو جائے جس کی پیشن گوئی ڈاکٹر نے کی تھی تو یہ بیماری اس کے لئے عقوبت وسزا نہیں ہے بلکہ یہ اس کے اس ذاتی فعل کا اثر ہے جو ظاہر ہوا ہے لہذا قرآن کی آیات میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی ایک پر بھی ظلم نہیں کرتا ہے جو عمل بھی انسان انجام دیتا ہے وہ خود اس کی اپنی طرف سے ہے خداوند عالم سورہ کہف میں ظلم کی اپنے سے نفی کرتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿لا یَظْلِمُ رَبُّکَ اَحَداً﴾ (۱)

یعنی اللہ تعالیٰ کسی ایک پر بھی ظلم وستم نہیں کرتا ہے۔

---

(۱) سورہ کہف ۱۸ آیت ۴۹

مزید سورہ یٰس میں ارشاد فرمایا:

﴿فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا﴾ (۱)

''یعنی آج کے دن کسی پر بھی ذرہ برابر ظلم نہیں کیا جائے گا۔''

لہٰذا معلوم ہوا کہ ثواب وعذاب کوئی ایسی چیزیں نہیں کے جو طے شدہ ہوں بلکہ یہ چیزیں انسان کے اپنے عمل کا ذاتی اثر ہوتی ہیں جو کہ آخرت میں یا ثواب کی صورت میں سامنے آئیں گی یا عذاب کی صورت میں ظاہر ہوں گی۔

ہاں اگر ہم ثواب وعذاب کو پہلے سے ایک طے شدہ امر جانیں تو اس وقت ہم مجبور ہوں گے کہ اس کے لئے کسی مصلحت اور فلسفہ کے قائل ہوں۔

مثلاً ہم کہیں کہ کیا عذاب اُخروی انتقام لینے کے لئے ہے یا دوسروں کو عبرت دلانے کے لئے ہے یا گناہ گار کے گناہ کے تکرار نہ کرنے کے لئے ہے؟

بعض لوگوں نے جیسے صاحب شرح تجرید اور بہت سے متکلمین نے عذاب اُخروی کو حکمت ومصلحت الٰہی جانا ہے اور عذاب اُخروی کو معاشرے کے امور کی اصلاح کے لئے قرار دیتے ہیں اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر معاشرے میں یہ ڈرانا اور بشارتیں دینا نہ ہوں تو انسان اپنی اصلی راہ سے منحرف ہو جائے گا لہٰذا اس لئے کہ انسان اسی دنیا میں ایک صحیح معاشرہ قائم کر سکے اس کے لئے نظام الٰہی اور مصلحت الٰہی کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو کچھ چیزوں سے ڈرایا جائے اور کچھ چیزوں کا وعدہ دیا جائے۔

(۱) سورہ یٰس ۳۶ آیت ۵۴

کیونکہ اگر خدا نے گناہ گاروں سے عذاب کا وعدہ کیا ہے تو اسے اپنے وعدے پر عمل کرنا چاہئے کیونکہ اگر ایسا نہ کرے تو پھر اس کے وعدہ و وعید کا معاشرے میں اچھا اثر ثابت نہیں ہوگا۔

مؤلف: لیکن ہماری نظر میں مذکورہ نظریہ صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ بات تو پہلے ہی کہی جا چکی ہے کہ ثواب و عذاب کوئی طے شدہ امور تو ہیں نہیں بلکہ خود اعمال کا ذاتی اثر ہیں اس کے علاوہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت، توبہ، شفاعت کے دروازے کھلے ہوئے ہیں تاکہ قیامت میں عذاب کی تخفیف سے فائدہ اٹھایا جا سکے اور یہ اس بات پر دلیل ہے کہ خدا کا اپنے وعدے پر عمل کرنا حتمی نہیں ہے۔

قرآن میں اعمال کے مجسم ہونے کا ذکر:

ہم یہاں پر قرآن کی ان سولہ آیات کو پیش کریں گے جو انسانی اعمال کے مجسم ہو کر سامنے آنے کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

۱۔ ﴿یَوْمَئِذٍ یَصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتاً لِیُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ☆ فَمَنْ یَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْراً یَرَهُ ☆ وَ مَنْ یَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرّاً یَرَهُ ☆﴾ (۱)

یعنی جس دن زمین اپنے سب حالات بیان کرے گی کیونکہ تمہارے پروردگار نے اس کو حکم دیا ہوگا۔ اس دن لوگ گروہ گروہ اپنی قبروں سے نکلیں گے تاکہ اپنے اعمال کو دیکھیں۔ تو جس شخص نے ذرہ برابر نیکی کی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس شخص نے ذرہ برابر بدی کی ہے تو اسے بھی دیکھ لے گا۔

(۱) سورہ زلزلہ ۹۹ آیت ۶۔۸

۲. ﴿یَوْمَ تَجِدُ کُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَیْرٍ مُّحْضَرًا وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْءٍ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَیْنَهَا وَبَیْنَهٗ اَمَدًا بَعِیْدًا﴾ (۱)

یعنی جس نے جو بھی نیک اعمال کیا اسے وہ بروز قیامت حاضر پائے گا اور وہ چاہے گا کہ اس کے اور اس کے بُرے اعمال کے درمیان بہت زیادہ فاصلہ ہو جائے۔

۳. ﴿سَیُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ﴾ (۲)

یعنی عنقریب قیامت کے دن جن چیزوں کے بارے میں بخل کیا ہے طوق بنا کر گلے میں لٹکائے جائیں گے۔

۴. ﴿وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا وَلَا یَظْلِمُ رَبُّکَ اَحَدًا﴾ (۳)

یعنی اس دن سب اپنے اعمال کو حاضر پائیں گے اور تمہارا پروردگار کسی ایک پر بھی ظلم نہیں کرے گا۔

۵. ﴿اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ (۴)

''یعنی اس دن صرف تمہارے اعمال کے تحت تمہیں سزا دی جائے گی۔''

اس آیت میں لفظ اِنّما نے حصر کو سمجھایا یعنی تمہیں جزاء دی جائے گی اس عمل کے سبب جو تم نے انجام دیے ہیں یعنی تمہارا عمل خود تمہاری جزاء ہوگا اور یہاں پر یہ

---

(۱) سورہ آل عمران ۳ آیت ۳۰

(۲) سورہ آل عمران ۳ آیت ۱۸۰

(۳) سورہ کہف ۱۸ آیت ۴۹

(۴) سورہ طور ۵۲ آیت ۱۶ تحریم ۶۶ آیت ۷

نہیں کہا گیا کہ ﴿اِنَّمَا تُجْزَوْنَ بِمَا كُنْتُمْ﴾ یعنی تمہیں تمہارے اعمال کی سزا دی جائے گی۔

۶۔ ﴿وَاِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ ☆ وَاِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ ☆ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا اَحْضَرَتْ﴾ (۱)

یعنی اس وقت جب جہنم کے شعلے بھڑک رہے ہوں گے، اس وقت جب جنت نزدیک ہوگی ہاں ایسے وقت کے بارے میں ہر ایک جانتا ہے کہ کیا چیز آمادہ کی جائے۔

۷۔ ﴿يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ.﴾ (۲)

یعنی جس دن وہ (سونا چاندی) جہنم کی آگ میں گرم کیا جائے گا پھر اس سے ان کی پیشانیاں اور ان کے پہلو اور ان کی پشتیں داغی جائیں گی (اور ان سے کہا جائے گا) یہ وہ ہے جسے تم نے اپنے لئے (دنیا میں) جمع کر کے رکھا تھا تو (اب) اپنے جمع کئے کا مزہ چکھو۔

---

(۱) سورہ تکویر ۸۱ آیت ۱۲۔۱۴

(۲) سورہ توبہ ۹ آیت ۳۵

۸. ﴿فَالْيَوْمَ لَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَلَا تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ.﴾ (۱)

یعنی اس دن سب سے کہا جائے گا کہ آج کے دن کسی پر بھی ذرہ برابر ظلم نہیں کیا جائے گا مگر جس نے جو عمل کیا ہوگا اس کے تحت اس کو جزا دی جائے گی۔

۹. ﴿وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَكُبَّتْ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ هَلْ تُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ.﴾ (۲)

یعنی جنھوں نے بھی بُرے اعمال انجام دیئے ہیں انھیں چہرے کے بل جہنم کی آگ میں ڈالا جائے گا کیا تم لوگوں کو سوائے اس کے کہ جو عمل کیا ہوگا جزاء دی جائے گی؟

۱۰. ﴿وَلِكُلٍّ دَرَجَاتٌ مِمَّا عَمِلُوا وَلِيُوَفِّيَهُمْ أَعْمَالَهُمْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ.﴾ (۳)

یعنی ان میں سے ہر ایک کے لئے نیک اعمال کے حساب سے درجات ہیں جو انھوں نے انجام دیئے ہیں خداوند عالم ان کے اعمال کو پورا پورا ان کے سامنے پیش کرے گا اور کسی پر بھی کچھ بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔

---

(۱) یٰس ۳۶ آیت ۵۴

(۲) سورہ نمل ۲۷ آیت ۹۰

(۳) سورہ احقاف ۴۶ آیت ۱۹

۱۱۔ ﴿وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُونَ.﴾(۱)

یعنی ہر ایک کو اس کے عمل کے تحت (بغیر کم وزیادتی کئے) جزاء دی جائے گی اور خدا ان کے اعمال کے بارے میں سب سے زیادہ آگاہ ہے۔

۱۲۔ ﴿وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ.﴾(۲)

یعنی جو کچھ تم لوگ اپنے مال میں سے انفاق کرتے ہو وہ خود تمہارے ہی لئے ہے یعنی اس کی پوری پوری جزاء تمہیں دی جائے گی اور ہرگز تمہارے اوپر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

۱۳۔ ﴿اِنَّ الَّذِينَ يَاْكُلُونَ اَمْوَالَ الْيَتَامٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا.﴾(۳)

یعنی جو لوگ یتیموں کے اموال کو ناحق کھاتے ہیں وہ درحقیقت اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں اور عنقریب ایسے لوگ جہنم کی آگ میں جلیں گے۔

---

(۱) سورہ زمر ۳۹ آیت ۷۰

(۲) سورہ بقرہ ۲ آیت ۲۷۲

(۳) سورہ نساء ۴ آیت ۱۰

۱۴. ﴿وَبَدَا لَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا كَسَبُوا وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِؤُنَ.﴾ (۱)

یعنی اور جو بد کرداریاں ان لوگوں نے کی تھیں (وہ سب) ان کے سامنے کھل جائیں گی اور جس (عذاب) پر یہ لوگ قہقہے لگاتے تھے وہ انھیں گھیر لے گا۔

۱۵. ﴿وَمَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيلاً.﴾ (۲)

یعنی جو اس دنیا میں حق کو پہچاننے سے نابینا رہا وہ آخرت میں بھی نابینا بلکہ اس سے بھی بدتر ہوگا۔

۱۶. ﴿وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلٰى وُجُوهِهِمْ عُمْيًا وَبُكْمًا وَصُمًّا.﴾ (۳)

اور قیامت کے دن ہم ان لوگوں کو منہ کے بل اوندھے اندھے اور گونگے اور بہرے قبروں سے اٹھائیں گے۔

---

(۱) سورہ زمر ۳۹ آیت ۴۸

(۲) سورہ اسراء ۱۷ آیت ۷۲

(۳) سورہ اسراء ۱۷ آیت ۹۸

بسم الله الرحمن الرحیم

اکیسواں درس:

روایات میں تجسم اعمال کا ذکر

گذشتہ درسوں میں یہ بات گزری کے تجسم اعمال کا مسئلہ روایات کے ذریعے سے اور قرآن مجید کی صریح آیات کے ذریعے سے اتفاقی مسئلہ ہے، البتہ ابھی تلک ہم نے اس سلسلے میں صرف قرآن مجید کی آیات کو پیش کیا ہے، روایات اسلامی میں بھی تجسم اعمال کے مسئلے کو بڑے وسیع پیمانے پر ذکر کیا گیا ہے اس سلسلے میں شیخ بہائی اپنی کتاب اربعین میں کافی روایات کو ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

(أَلْحَقُّ اَنَّ الْمَوْزُوْنَ فِی النَّشْأَةِ الْاُخریٰ هُوَنَفْسُ الْاَعْمَالِ لَا صَحَائِفُهَا)

یعنی قیامت کے دن انسانوں کے اعمال کو ترازو میں کر کے لایا جائے گا نہ کہ صحیفہ کی صورت میں کہ اس پر لکھے ہوئے ہوں۔

اب ذرا اس سلسلے میں ذکر ہونے والی روایات میں دقت کریں:

۱۔ محمد بن مسلم امام باقر علیہ السلام سے اس آیہ ﴿سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا

بِهِ يَوْمَ الْقِيامَةِ ﴾(۱)

کے بارے میں سوال کرتے ہیں تو حضرت ان کے جواب میں فرماتے ہیں:

(مامِنْ عَبْدٍ مَنَعَ زَكاةَ مالِهِ اِلَّا جَعَلَ اللّٰهُ ذالِکَ يَوْمَ الْقِيامَةِ ثُعْباناًمِنْ نارٍ مُطَوَّقاً في عُنُقِهِ.)(۲)

یعنی کوئی ایسا انسان نہیں کہ جو زکات ادا کرنے سے منع کرتا ہو مگر یہ کہ خداوند عالم اس کے اس زکات نہ دینے کے عمل کو بروز قیامت آگ کے اژدھے کی صورت میں اس کی گردن کا طوق قرار دے گا۔

۲۔قیس بن عاصم پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشہور صحابی جن کا تعلق قبیلہ بنی تمیم سے تھا ایک دفعہ کچھ لوگوں کے ہمراہ خدمت پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پہنچے اور عرض کی اے اللہ کے رسول ہمیں ذرا نصیحت فرمائیں اس لئے کہ ہمارا کام ایسا ہے کہ صحراء و بیابانوں سے گزرنا ہوتا ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے جواب میں فرمایا:

(يا قَيْسُ! اِنَّ مَعَ الْعِزِّ ذُلّاً،وَاِنَّ مَعَ الْحَياةِ مَوْتاً،وَاِنَّ مَعَ الدُّنْيا اٰخِرَةً،و اِنَّ بكل شيءٍ رقيباً، وعلى كُلِّ شَيءٍ حَسيباً وَاِنَّ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتاباً،وَاِنَّهُ لا بُدَّ لَکَ يا قَيْسُ مِنْ قَرينٍ يُدْفَنُ مَعَکَ وَهُوَحَيٌّ وَتُدْفَنُ

---

(۱)سورہ آل عمران ۳ آیت ۱۸۰

(۲)تفسیر عیاشی ج ۱ ص ۲۰۷

مَعَهُ وَاَنْتَ مَیِّتٌ، فَاِنْ کَانَ کَرِیماً اَکْرَمَکَ، وَاِنْ کَانَ لَئِیماً اَسْلَمَکَ، ثُمَّ لاَیُحْشَرُ اِلاَّ مَعَکَ، وَلاَ تُحْشَرُ اِلاَّ مَعَهُ، وَلاَ تُسْئَلُ اِلاَّ عَنْهُ.)(۱)

یعنی اے قیس :عزت کے ساتھ ذلت ہے، حیات کے ساتھ موت ہے، دنیا کے ساتھ آخرت ہے، ہر چیز کا حساب وکتاب ہے، اے قیس تمہارا ہم نشین تمہارے ساتھ دفن ہوگا ایسی حالت میں کے تم مردے ہوگے وہ زندہ ہوگا اگر تمہارا وہ ہم نشین اچھا ہوگا تو تمہیں بھی خوش وخرم کرے گا اور اگر وہ بُرا ہوگا تو تمہیں بھی ذلیل و رسوا کرے گا اور وہ فقط تمہارے ساتھ محشور ہوگا اور تم فقط اس کے ساتھ محشور اور تم سے سوال بھی فقط اسی کے بارے میں ہوں گے لہذا اپنے ہم نشین کو صالح بناؤ اس لئے کے اگر وہ صالح ہوگا تو تمہارے لئے سکون کا باعث ہوگا اور اگر وہ بُرا ہو تو تمہارے لئے وحشت کا سبب بنے گا اور وہ تمہارا عمل ہے۔

مذکورہ روایت کے ذیل میں ذکر ہے کہ "قیس بن عاصم" نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں چاہتا ہوں کہ آپ کے اس کلام کو اشعار کی صورت میں ڈھالا جائے تا کہ میں اس طرح اپنے دوست احباب میں افتخار کرسکوں اور اپنے لئے اس کلام کو محفوظ کرسکوں، پیغمبر اکرمؐ نے حکم دیا کہ "حسان بن ثابت" کو بلایا جائے مگر "صلصال بن صلصال" جو کہ اس وقت خدمت پیغمبرؐ میں حاضر تھا کہنے لگا کہ یا رسول اللہؐ میرے ذہن میں اشعار آرہے ہیں جو ممکن ہے "قیس" کے مقصد کو پورا

(۱) خصال شیخ صدوقؒ، ابواب ثلاثہ ج ۱۹۳ الاصابہ ابن حجر عسقلانی ج ۲ ص ۱۹۲

کر سکیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہو، اس نے وہ اشعار کہے۔

۳. (اذا بَعَثَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنَ مِنْ قَبْرِهِ خَرَجَ مَعَهُ مِثَالٌ يقدمه أمامه، كُلَّمارَاىَ الْمُؤْمن هولاً مِنْ اَهوَالِ يَوْمَ الْقِيامَةِ قال له المثال: لاَ تَفْزَعْ وَلاتَحْزَنْ وَابشربِهِ السّرورَ وَالكَرَامة مِنَ اللّهِ عزّوَجلّ حَتّىٰ يقف بين يَدِى اللّٰهِ تعالىٰ فيحاسبُه حِسَاباً يسيراً، و يامُرُبه الْجَنّة، وَالْمِثالُ اَمَامَهُ. فيقول لَهُ الْمُؤْمِنُ: يرحمك اللّٰهُ، نِعْمَ الخارجُ خَرَجْتَ معى من قبرى وَمَا زِلْتَ تُبَشّرني بالسرورِ وَالْكَرَامة من الله عزّوجلّ حتّى رَأيْتُ ذالِكَ، فمن انْتَ؟ فَيقُولُ: اَنَا سُرورُ الّذِي كنتَ اَدْخَلْتَهُ عَلىٰ اَخِيكَ الْمُؤْمن فِي الدّنيا خلقني اللّهُ منه.)(۱)

یعنی جب خداوند عالم کسی مؤمن کو بروز قیامت محشور کرے گا اور وہ قبر سے اٹھایا جائے گا تو ایک ہمنشین بھی اس کے ہمراہ قبر سے باہر آئے گا اور اس کے آگے آگے ایک رہنما کی مانند چلے گا، جب بھی یہ مؤمن کسی منظر کو دیکھ کر وحشت زدہ ہوگا تو وہ ہم نشین اس کو تسلی دے گا کہ گھبراؤ نہیں، خدا کی طرف سے تمہیں نیک بشارت ہو کہ خداوند عالم کی بارگاہ میں آج تمہارا حساب وکتاب آسان ہوگا اور پھر اس شخص کو حکم دیا جائے گا کہ بہشت میں داخل ہو جاؤ تو اس کا ہم نشین بھی اسی طرح اس کے آگے آگے چلے گا تو یہ شخص کہے گا کہ خدا تم پر رحمت نازل کرے تم کون ہو جو

(۱) اصول کافی ج ۲ ص ۱۹۰ ح ۸، ۱۲، مصابیح الانوار ج ۲ ص ۱۳۹ ح ۴۷

آج میری خوش بختی کا سبب بنے ہو اور میری رہنمائی کی ہے؟ تو وہ ہم نشین کہے گا میں وہی خوشی ہوں جو تم نے فلاں برادر ایمانی کے دل میں خوشی ایجاد کی تھی آج خدا نے اسی خوشی کو میری صورت میں پیدا کیا ہے۔

۴۔ ابو بصیر امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام سے روایت کرتے ہیں:

(إذا مات المؤمن دَخَلَ معه في قَبْرِهِ ستّة صورٍ، فيهنّ صورة هي احسنهنّ وجهاً وابهاهنّ هيأةً واصيبهُنّ ريحاً وانظفهنّ صورة. قال: فتقف صورة عن يمينهِ، واُخرىٰ عن يساره، واُخرى بين يديه، واُخرى خلفه، واُخرى عند رجليه.) (۱)

یعنی جب بندۂ مؤمن مرتا ہے تو اس کے ہمراہ چھ صورتیں قبر میں داخل ہوتی ہیں جن میں سے ایک صورت سب سے زیادہ خوبصورت ہوتی ہے اور ایک صورت اس کے دائیں جانب ایک صورت اس کے بائیں جانب ایک صورت اس کے سامنے اور ایک صورت اس کی پشت پر اور ایک صورت اس کے پیروں کی جانب کھڑی ہو جاتی ہے وہ صورت جو سب سے زیادہ خوبصورت ہوتی ہے وہ اس کے سر کی جانب ہوتی ہے اس طرح جس جانب سے بھی اس صاحب قبر پر عذاب آتا ہے تو اس جانب کی صورت اس شخص کی حفاظت کرتی ہے، پھر وہ صورت جو سب سے زیادہ

---

(۱) بحار الانوار ج ۶ ص ۲۳۴ ح ۵۰، محاسن برقی ج ۱ ص ۴۴۸ ح ۱۰۳۶

خوبصورت ہوتی ہے وہ بقیہ صورتوں سے پوچھتی ہے تم لوگ کون ہو؟ تو دائیں جانب کی صورت کہے گی میں اس کی نمازیں ہوں، بائیں جانب کی صورت کہے گی میں اس کی دی ہوئی زکاتیں ہوں سامنے والی صورت کہے گی میں اس کے روزے ہوں پیچھے والی صورت کہے گی میں اس کے حج وعمرہ ہوں پیروں کی جانب والی صورت کہے گی میں وہ نیکیاں ہوں جو اس نے اپنے برادران ایمانی کے ساتھ انجام دیں، پھر وہ سب صورتیں یک زبان ہو کر اس سر کی طرف والی خوبصورت صورت سے پوچھیں گی ذرا اب یہ تو بتاؤ کہ تم کون ہو جو سب سے خوبصورت ہو؟ تو جواب ملے گا (اَنَا الْوِلَایَةُ لِآلِ محمد صلی الله علیه واله وسلم) ''میں ولایت محمد وآل محمد ہوں''۔

۵۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا:

(اِنَّ الْمُؤْمِنَ اِذا خَرَجَ مِنْ قَبْرِهِ صُوِّرَلَهُ عَمَلُهُ فِي صُوْرَةٍ حَسَنَةٍ فَيَقُولُ لَهُ مااَنْتَ؟فَوَاللّهِ اِنّي لَا رَاکَ اِمْرأَ صِدْقٍ،فَيَقُولُ لَهُ:اَنَا عَمَلُکَ.فَيَكُون لَهُ نوراً وَقائِداً اِلَى الْجَنَّةِ.)(۱)

یعنی جب بندۂ مومن قبر سے نکلے گا تو اس کا عمل خوبصورت شکل میں اس کے سامنے ظاہر ہوگا تو یہ شخص اس سے کہے گا تو کون ہے؟ خدا کی قسم میں تجھے سچا پاتا ہوں تو وہ کہے گا میں تیرے نیک اعمال ہوں اور وہ اس صاحب قبر کے لئے روشنی

---

(۱) کنز العمال ج ۱۴ ص ۳۶۶ ۔ ۳۸۹۶۳

کا کام دے گا یہاں تک کہ وہ بندۂ مؤمن بہشت میں داخل ہو جائے۔

۶۔ایک اور حدیث میں ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا کہ مجھ سے جبریل امینؑ نے کہا:

(یا مُحَمَّدُ اِعِش ما شِئتَ فَاِنَّکَ مَیِّتٌ وَاَحبب من شئت فاِنَّکَ مفارقه، واعْمَلْ ما شِئْتَ فَاِنَّکَ مُلاقِیهِ.)(۱)

یعنی اے محمد ﷺ جتنی آپ چاہیں زندگی کریں مگر سرانجام موت ہی ہے، جس چیز سے بھی چاہیں دل لگائیں محبت کریں مگر آخر کار اس سے جدا ہونا ہے جو بھی چاہیں عمل انجام دیں مگر آخر کار اس سے ملنا ہے۔

۷۔امام جعفر صادقؑ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا:

(اِذا وُضِعَ الْمَیِّتُ فِي قَبْرِهِ مُثِّلَ لَهُ شَخْصٌ فقالَ لَهُ: یاهذا کُنّا ثلاثةً، کانَ رِزْقُکَ فانْقَطَعَ بِانْقِطاعِ اَجَلِکَ، وَکانَ فَخَلَّفُوکَ وَانْصَرَفُوا عَنْکَ وَکُنْتُ عَمَلَکَ فَبَقِیتُ مَعَکَ اَمَاانِّي کُنْتُ اَهْوَنُ الثَّلاثَةِ عَلَیْکَ)(۲)

یعنی جب میت کو قبر میں رکھا جاتا ہے تو ایک مجسم شخص اس کے سامنے نمایاں ہوتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ اے انسان دنیا میں تین چیزیں تھیں ایک تیرا

---

(۱) کنز العمال ج ۱۵ ص ۵۴۶۔ ۴۲۱۱۴

(۱) فروع کافی ج ۳ ص ۲۴۰ ح ۱۴

رزق جو پورا ہوا دوسری تیری عمر جو ختم ہوئی تیسرا تیرے اہل وعیال جو تجھے تک وتنہا اس اندھیری قبر میں چھوڑ کر چلے گئے اور میں تیرے نیک اعمال ہوں جو تیرا ساتھ نہیں چھوڑوں گا مگر میں تیرے نزدیک ان تینوں چیزوں سے کم اہمیت والا تھا۔

۸۔ایک روایت میں پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل ہے کہ آپ نے فرمایا:

(لَمّا اُسری بی اِلی السماء دخلت الجنة فرأیت فیها قیعاناً،ورأیتُ ملا ئکة یبنون ...وربما امسکوا فقلت لهم:مالکم قد امسکتم ؟قالوا :حتی تجیننا النفقة ؛فقلت:وما نفقتکم ؟قالوا:قول المؤمن :(سبحان اللّٰه والحمدا للّٰه ولا اِله الا اللّٰه واللّٰه اکبر)فاِذا قال بنیناواِذاسَکَتَ امسکنا .)(۱)

یعنی جب میں معراج پر گیا اور بہشت میں داخل ہوا تو دیکھا کہ بہشت کی زمین ہموار ہے اور کچھ ملائکہ گھر بنانے میں مصروف ہیں مگر کبھی کبھی وہ ہاتھ روک لیتے ہیں جب میں نے ان سے ہاتھ روک لینے کا فلسفہ پوچھا تو کہنے لگے کہ ہمارے پاس جب اس گھر بنانے کا سامان ختم ہو جاتا ہے تو ہاتھ روک لیتے ہیں تو میں نے پوچھا کہ تمہارا ان گھروں کے بنانے میں سامان کیا ہوتا ہے:تو انھوں نے جواب دیا کہ بندۂ مؤمن کا (سبحان اللّٰه والحمدا للّٰه ولااِله الااللّٰه واللّٰه اکبر) کہنا۔

---

(۲)وسائل الشیعہ ج ۷ ص ۱۸۸ ح ۱۰

۹۔ امام باقر علیہ السلام پیغمبر اسلامؐ سے نقل فرماتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا:

(مَنْ قالَ سُبْحانَ اللّٰہِ غَرَسَ اللّٰہُ لَہُ بِہا شجرۃً فِی الْجَنَّۃِ وَ مَنْ قالَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ، غَرَسَ اللّٰہُ لَہُ بِہا شجرۃً فِی الْجَنَّۃِ، وَمَنْ قالَ لاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہ غَرَسَ اللّٰہُ لَہُ بِہا شجرۃً فِی الْجَنَّۃِ وَمَنْ قالَ اَللّٰہُ اَکبر، غرس اللّٰہُ لَہُ بِہا شجرۃً فِی الْجَنَّۃِ، فقالَ لَہُ رَجُلٌ من قریش: یا رسول اللّٰہ! اِنَّ شَجَرَنا فِی الْجَنَّۃِ لَکثیرٌ. فقالؐ: نعم، وَاِیّاکُمْ اَنْ تُرسِلُوا عَلَیْہا ناراً فَتَحرِقُوہا وَذالک قولُہُ عزّوجلّ ﴿یاایُّہا الَّذینَ آمَنُوا اطیعُوا اللّٰہَ واطیعُوا الرَّسولَ وَلاَ تُبطِلُوا اعْمالَکُمْ.﴾ (۱) (۲)

یعنی جو بھی ایک دفعہ ﴿سبحان اللہ﴾ کہتا ہے تو خدا اس کے لئے بہشت میں ایک درخت اُگا دیتا ہے اور جو ایک مرتبہ ﴿الحمد اللہ﴾ کہتا ہے تو خدا ایک اور درخت اس کے لئے بہشت میں اُگا دیتا ہے اور جو ﴿لا الہ الا اللہ﴾ کہتا ہے تو خدا ایک اور درخت اس کے لئے جنت میں اُگا دیتا ہے اور پھر جو ﴿اللہ اکبر﴾ کہتا ہے تو خدا ایک اور درخت اس کے لئے اُگا دیتا ہے، قریش میں سے ایک شخص نے پیغمبر اسلامؐ سے پوچھا، ایسی صورت میں تو بہشت میں ہمارے کافی درخت ہوں گے آنحضرتؐ نے فرمایا، ہاں بشرطیکہ کوئی آگ نہ بھیجو جو ان تمام درختوں کو جلا کر راکھ کردے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

(۱) وسائل الشیعہ ج ۷ ص ۱۸۶ خطبہ ۵

(۲) سورہ محمد ۴۷ آیت ۳۳

اے وہ لوگ جو ایمان لائے ہو اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو باطل نہ کرو لہذا معلوم ہوا کہ بروز قیامت انسانوں کے اچھے اعمال اور بُرے اعمال جو اس دنیا میں انجام دیئے جاتے ہیں درخت کی صورت میں قیامت کے دن ظاہر ہوں گے۔

جیسا کہ خداوند عالم قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

﴿اِنَّ الَّذِینَ یَاْکُلُونَ اَمْوَالَ الْیَتَامیٰ ظُلْماً اِنَّما یَاْکُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ ناراً وَ سَیَصْلَوْنَ سَعیراً.﴾ (۱)

یعنی بیشک جو لوگ یتیموں کے مال کو ناحق کھاتے ہیں وہ لوگ درحقیقت آگ کھا رہے ہیں اور عنقریب ان لوگوں کو جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ میں ڈالا جائیگا۔

اس آیت کا ظاہری مطلب یہی ہے کہ آگ کو اپنے شکموں میں داخل کر رہے ہو مگر وہ آگ مال کی صورت میں ہے جو آخرت میں حقیقی آگ کی صورت میں سامنے آئے گی۔

﴿اِنَّ الَّذِینَ یَکْتُمُونَ ما اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْکِتابِ وَ یَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَناً قلیلاً اولئکَ ما یَأْکُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ اِلاَّ النّارَ.﴾ (۲)

یعنی جو لوگ کتاب خدا کے نازل کردہ حکم کو چھپاتے ہیں اور تھوڑے سے پیسوں کی خاطر اس کو بیچ دیتے ہیں تو وہ لوگ سوائے آگ کے کچھ نہیں کھاتے۔

---

(۱) سورہ نساء۴ آیت ۱۰

(۲) سورہ بقرہ۲ آیت ۱۷۴

سورہ اسراء میں ارشاد ہوا:

﴿وَمَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا.﴾(۱)

یعنی جو اس دنیا میں حق کو پہچاننے سے نابینا رہا وہ آخرت میں بھی نابینا بلکہ اس سے بھی بدتر ہوگا۔

سورہ طٰہٰ میں ارشاد ہوا ہے:

﴿وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ☆ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ☆ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى.﴾(۲)

یعنی اور جس شخص نے میری یاد سے منہ پھیر لیا تو اس کی زندگی بہت تنگی میں بسر ہوگی اور ہم اس کو قیامت کے دن اندھا (بنا کے) اٹھائیں گے. وہ کہے گا اے پروردگار میں تو (دنیا میں) آنکھ والا تھا تو نے مجھے اندھا کر کے کیوں اٹھایا، خدا فرمائے گا ایسا ہی (ہونا چاہئے) ہماری آیتیں بھی تو تیرے پاس آئی تھیں تو تو انھیں بھلا بیٹھا اور اسی طرح آج تو بھی بھلا دیا جائے گا۔

لہٰذا تجسم اعمال کا مسئلہ جس طرح روایات میں ذکر ہوا ایک امر ممکن اور قابل قبول مسئلہ ہے جو ظواہر قرآن کے ساتھ بھی مطابقت رکھتا ہے، اس کے علاوہ

---

(۳) سورہ اسراء ۱۷ آیت ۷۲

(۴) سورہ طٰہٰ ۲۰ آیت ۱۲۴

تجسم اعمال کے مسئلے کو مان لینے کے نتیجہ میں عذاب اُخروی کا مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے کہ عذاب اُخروی نہ تو دنیاوی اعمال کی سزاء کے طور پر ہے اور نہ دوسروں کو اس قسم کے جرم سے روکنے کے لئے ہے اور نہ ہی انتقام لینے کی صورت میں ہے۔

سوال: تو پھر آخرت کا عذاب کس لئے ہے؟

جواب: جو بات اس مقام پر اس مشکل کو حل کر سکتی ہے وہ یہی ''تجسم اعمال'' کا مسئلہ ہے کہ آخرت میں عقاب دنیاوی اعمال کا مجسمہ ہیں اس دنیاوی اعمال کا یہ عقاب اُخروی ذاتی اثر ہے جیسے کوئی طبیب کہتا ہے کہ فلاں چیز نہ کھانا سر درد میں مبتلا ہو جاؤ گے تو اب اگر مریض کو اس منع کردہ چیز کے کھانے سے سر درد ہو جائے تو یہ اسی چیز کا طبیعی اثر ہے جو اس انسان پر اثر انداز ہوا ہے، اسی طرح عذاب اُخروی بھی ہے یعنی جو کچھ انسان اس دنیا میں اعمال انجام دیتا ہے تو عذاب اُخروی انھیں اعمال کا ذاتی اور طبیعی اثر ہے یہ انسان کا کردار ہی ہے جو اس دنیا میں مختلف عقوبتوں کی صورت میں سامنے آتا ہے۔

اخلاق کا مجسم ہونا:

تجسم اعمال کے مسئلے کے علاوہ جو چیز آیات اور روایات اسلامی سے سمجھ میں آتی ہے وہ یہ کہ انسان کا اچھا اخلاق بھی بروز قیامت خوبصورت چہرے اور جسم کی صورت میں ظاہر ہوگا اور لوگ مختلف صورتوں میں میدان محشر میں داخل ہوں گے

ایسی صورتوں میں جو ان کی اندرونی صفات کی نشاندہی کرتی ہوں گی، جن کا باطن نور ایمانی سے منور ہوگا ان کا چہرہ ہشاش بشاش چودھویں کے چاند کی مانند چمکتے ہوئے نورانی چہرے کے ساتھ میدان محشر میں داخل ہوں گے اور جن کے دل کفر و نفاق کی وجہ سے تاریک ہوں گے وہ سیاہ اور ناامید چہروں کے ساتھ میدان محشر میں داخل ہوں گے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

﴿يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ أَكَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ☆ وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللَّهِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ.﴾(۱)

یعنی (اس دن سے ڈرو) جس دن کچھ لوگوں کے چہرے تو سفید و نورانی ہوں گے اور کچھ لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے (ان سے کہا جائے گا) ہائے کیوں تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئے تھے اچھا تو (لو اب) اپنے کفر کی سزا میں عذاب کا مزہ چکھو اور جن کے چہرے پر نور برستا ہوگا وہ تو خدا کی رحمت (بہشت) میں ہوں گے اور وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے۔

سورہ یونس میں قیامت کے دن بُرے لوگوں کے انجام کے بارے میں ذکر ہوا:

---

(۱) سورہ آل عمران ۳ آیت ۱۰۶۔۱۰۷

﴿كَأَنَّمَا أُغْشِيَتْ وُجُوهُهُمْ قِطَعاً مِنَ اللَّيْلِ مُظْلِماً.﴾(۱)

یعنی ان کے چہرے اس طرح سے سیاہ ہوں گے گویا اندھیری رات نے ان کے چہروں کو ڈھانپ دیا ہو ہاں اس دن انسانوں کے اچھے یا بُرے اعمال ،انسانوں کے باطنی کاموں کے لحاظ سے مجسم ہوکر کے ظاہر ہوں گے، لہٰذا قیامت کے ناموں میں سے ایک نام (یوم) ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے: ﴿يَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ﴾ ہے۔(۲)

یعنی جس دن انسانوں کے اندرونی راز کھلیں گے۔

---

(۱) سورہ یونس ۱۰ آیت ۲۷

(۲) سورہ طارق ۸۶ آیت ۹

منابع وماٰخذ

۱۔قرآن کریم:

۲۔نہج البلاغہ: سخنان حضرت علیؑ محمد بن الحسین الموسوی الشریف الرضی.

۳۔کنز العمال: علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین الھندی (ت ۹۷۵).

۴۔التوحید: محمد بن علی بن بابویہ قی (شیخ صدوقؒ ت ۳۷۱).

۵۔بحار الانوار: علامہ محمد باقر مجلسی (ت ۱۱۱).

۶۔المیزان فی تفسیر القرآن: علامہ سید محمد حسین طباطبائی.

۷۔الکافی: محمد بن یعقوب بن اسحاق کلینیؒ (۳۲۹/۲۳۸).

۸۔قرب الاسناد: ابوالعباس عبداللہ بن جعفر الحمیری القمی از اصحاب امام حسن عسکریؑ.

۹۔زہل الاسلام: حمد امینی مصری.

۱۰۔شرح اصول خمسہ: قاضی عبدالجبار.

۱۱۔اللطائف الغیبیہ:

۱۲۔المحاسن: ابوجعفر احمد بن محمد بن خالد البرقی (ت ۲۷۴).

۱۳۔مکارم الاخلاق: رضی الدین ابونصیر حسن بن فضل الطبرسی (ق ۶).

۱۴۔وسائل الشیعہ: محمد بن الحسن الحر العاملی (ت ۱۱۰۴)۔
۱۵۔میزان الحکمۃ: محمد محمدی ری شہری۔
۱۶۔رسالہ طلب وارادہ: حضرت امام خمینیؒ "قدس سرہ" (روح اللہ الموسوی الخمینی)
۱۷۔تنزیہ انبیاء: محمد ہادی معرفت بہ قلم وکوشش؟؟؟
۱۸۔المنار: شیخ محمد عبدہ (ت ۱۳۵۴)
۱۹۔پیام قرآن: ناصر مکارم شیرازی۔
۲۰۔مجمع البیان فی تفسیر القرآن: ابوعلی الفضل بن الحسن الطبرسی (ق ۶)۔
۲۱۔التبیان فی تفسیر القرآن: شیخ الطائفہ ابی جعفر محمد بن الحسن الطوسی (ت ۳۸۵)۔
۲۲۔شرح نہج البلاغہ: ابن ابی الحدید معتزلی (۶۵۶/۵۸۶)۔
۲۳۔صحیح البخاری: ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاری (ت ۲۵۶)۔
۲۴۔المسند: الامام احمد بن حنبل (ت ۲۴۱)۔
۲۵۔سنن ابن ماجہ: حافظ ابوعبداللہ محمد بن یزید قزوینی (ت ۲۷۳)۔
۲۶۔الامالی: شیخ الطائفہ محمد بن الحسن الطوسیؒ (ت ۴۶۰)۔
۲۷۔من لایحضر الفقیہ (الفقیہ): محمد بن علی بن بابویہ قمی (شیخ صدوق ۳۸۱)
۲۸۔رسالہ شفاعت: جعفر سبحانی۔
۲۹۔کامل الزیارات: ابوالقاسم جعفر بن محمد بن قولویہ (ت ۳۶۷)۔
۳۰۔السیرۃ: ابن ہشام

۳۱۔الطبقات الکبری: محمد بن سعد واقدی.
۳۲۔وفاء الوفاء باخبار المصطفیٰ: نورالدین علی بن احمد مصری معروف بہ شمھودی.
۳۳۔الغدیر: الشیخ عبدالحسین حمد امینی نجفی.
۳۴۔المستدرک: حافظ ابی عبداللہ حاکم نیشاپوری.
۳۵۔مصابیح الانوار فی حل مشکلات الاخبار:
۳۶۔اعتقادات: محمد بن علی بن بابویہ قمی (شیخ صدوق) (۳۸۱).
۳۷۔تفسیر الکبیر: ابوعبداللہ محمد بن عمر بن حسین فخرالدین الرازی (ت ۶۰۶).
۳۸۔جامع البیان: ابوجعفر محمد بن عمر بن حریر الطبری (ت ۳۱۰).
۳۹۔المنثور: جلال الدین عبدالرحمٰن بن الکمال السیوطی.
۴۰۔تفسیر العیاشی: ابونصر محمد بن مسعود بن عیاش السلمی (ق ۴).
۴۱۔کشف الغمہ: علی بن عیسی بن ابی الفتح الاربلی (ت ۶۹۳).
۴۲۔المسائل السرویہ:
۴۳۔الامالی: علم الھدی، علی بن الحسین (۳۵۵۔۴۳۶).
۴۴۔متشابہات القرآن: ابوجعفر محمد بن علی بن شہرآشوب مازندرانی.
۴۵۔الخصال: محمد بن علی الحسین بن بابویہ قمی (شیخ صدوقؒ ۳۸۱).
۴۶۔الامالی: محمد بن علی الحسین بن بابویہ قمی (شیخ صدوقؒ ۳۸۱).
۴۷۔الاصابۃ: احمد بن علی بن حجر عسقلانی (ت ۸۵۲).